

وَاسْتَغْفِرُ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

اور اللہ سے بخشش چاہوائی تھیں کی اور ایمان والوں کیلئے اور ایمان والیوں کیلئے (سورہ محمد)

تحقیق مسئلہ

# الصالوب

استاذ المحدثین حضرت مولانا محمد سرفراز خان صدر مظکہ

سلطان المناظرین حضرت مولانا محمد منظور نعماں رحمۃ اللہ علیہ

منظار اسلام حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

از قلم

مؤلف و مرتب

پسند فرمودہ

مولانا فارحی جیسیں ملک الرؤوف

قادری، نقشبندی، مجددی

ناٹم اعلیٰ جامع حضیر قادریہ ۲۸۵ جی ٹی روڈ باغ باخدا پورہ لاہور

واعظ نکتہ دال حضرت مولانا

عبدالکریم ندیم صاحب

اجمیع خدام حلال سلسلہ حنفیہ قادریہ  
با غایا پورہ لاہور نون: ۱۶۲۸۷۸۶

بسم الله الرحمن الرحيم

تحقيق مسئلہ

# الصال ثواب

﴿از قلم﴾

استاذ الحمد شیخ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفر مدظلہ  
مناظر اسلام حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ  
مناظر اسلام حضرت مولانا محمد امین صدر او کاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

﴿پسند فرمودہ﴾

واعظ نکتہ داں حضرت مولانا عبد الکریم ندیم صاحب (خان پور)

﴿مرتب و مؤلف﴾

مولانا قاری جمیل الرحمن اختر قادری نقشبندی مجددی  
ناظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ قادریہ: ۲۸۵-جی۔ ٹی روڈ باغبانپورہ۔ لاہور

﴿ناشر﴾

اخجمن خدام الاسلام رجسٹرڈ حنفیہ قادریہ: 285 جی ٹی روڈ باغبانپورہ لاہور

﴿ جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ﴾

نام کتاب: تحقیق مسئلہ ایصال ثواب

مرتب و مؤلف: مولانا قاری جمیل الرحمن اختر قادری نقشبندی مجددی  
نا ظم اعلیٰ جامعہ حفیہ قادریہ ۲۸۵- جی۔ لی روڈ باغبانپورہ لاہور

قیمت: 50 پچاس روپے

ناشر: انجمن خدامِ اسلام رجسٹرڈ حفیہ قادریہ  
لی روڈ باغبانپورہ لاہور 285 جی

0300 9496702 ..... 042-6862816 - 6846529

﴿ ..... چند ملنے کے پتے ..... ﴾

جامعہ حفیہ قادریہ 285 جی لی روڈ لاہور	☆
مکتبہ قاسمیہ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور	☆
مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور	☆
ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور	☆
عمران اکیڈمی 40/B اردو بازار لاہور	☆
ظفر بک شتر، باغبانپورہ لاہور	☆
ادارہ تالیفات ختم نبوت کتاب مارکیٹ اردو بازار لاہور	☆
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور	☆
المصباح اردو بازار لاہور	☆
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار اول پنڈی	☆
مکتبہ العارف فیصل آباد	☆
کتب خانہ مجیدیہ بوہرگیٹ ملتان	☆
کتب خانہ مظہری فکشن اقبال کراچی	☆
اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ناؤں کراچی	☆

اگر آپ یہ رسالہ عزیز و اقارب کے ایصال ثواب کیلئے مفت تقسیم کرنا چاہیں تو

قیمت لاگت پر آپ کو مہیا کیا جا سکتا ہے۔ رابطہ کیلئے فون: 0300 9496702

## فہرست مضمایں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
38	بحث سوم	5	حرف اول قاری جمیل الرحمن اختر
39	بحث چہارم	8	ملفوظات مولانا سرفراز صدر مدظلہ
40	عبادات مالیہ کے ذریعہ ایصال ثواب	9	تقریب ایش الحدیث حضرت مولانا زاہد الراشدی مدظلہ
44	قربانی کے ذریعہ ایصال ثواب	11	تحقیق مسئلہ ایصال ثواب
	بحث پنجم		از حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صدر مدظلہ
55	نماز روزہ وغیرہ بدنبی عبادات	11	بدنبی اور مالی طریقہ پر ایصال ثواب کا حکم
	کے ذریعہ ایصال ثواب		حرام مال کا صدقہ ناجائز ہے
55	اموات کے لیے نماز اور اس کے	12	تلاؤت قرآن کریم پر اجرت لینا
	ذریعہ ایصال ثواب	16	نوٹ ضروری
	بحث ششم	19	مسئلہ اجرت اور حضرت امام ابوحنیفہ
57	اموات کی طرف سے حج	22	فائدہ
59	نیابت کی صحت کے لحاظ سے	24	ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعین
	عبادات کی تقیم	25	پیش لفظ: طبع اول قاری جمیل الرحمن اختر
60	نتیجہ بحث	27	تحقیق مسئلہ ایصال ثواب
	بحث ہفت	29	حضرت مولانا محمد نعماںی مدظلہ
62	مکریں کے دلائل یا شبہات	31	بحث اول
69	آیات قرآنی سے مغالطہ	31	دعا و استغفار برائے اموات
79	ایک عقلی مغالطہ	36	بحث دوم
	تحقیق مسئلہ ایصال ثواب		زندوں کے ان اعمال خیر سے مردوں
83	از وکیل احناف مولانا محمد امین صدر	36	کا اتفاق اع جن کی فعلیت کا کسی
83	شوچ تحقیق		طرح یہ مردے ذریعہ بنے ہوں

103	زیارت قبور کی دعا	83	نمذت اختلاف
104	فرش والے	85	عجیب کشمکش
105	بعد والے	86	اختلافات بڑھ گئے
105	عرش والے	87	آپس کا اختلاف
106	فضل ہی فضل	90	محمدی کون؟
106	صدقات جاریہ	90	کفرو شرک سے نفرت
107	صدقات کا ایصال ثواب	92	اہل قرآن
109	حج کا ایصال ثواب	92	تلاؤت قرآن کریم
110	تلاؤت قرآن کا ایصال ثواب	93	ایصال ثواب
112	قربانی کا ایصال ثواب	93	انکار حدیث
113	قرآن نبھی کا شوق	94	کیا مطالب میں اتفاق ہے؟
114	اللہ والوں سے تعلق	95	جنت اور جہنم
115	فرائض و نوافل	96	حدود اختلاف
117	ملفوظ حضرت شیخ صدر مدظلہ	97	مثال
	جو اجاز توسل بالصلحین	97	اختلاف کہاں ہے
118	علامہ انور شاہ صاحب کشیری کی تحقیق	99	ایصال ثواب
		100	منافقین کی محرومی
		101	کافر کا جنازہ نہ پڑھو
		101	جنازہ بھی ایصال ثواب ہے
		102	قبر پر دعاء
		103	فائدہ

# حرف اول

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده ولا رسول بعده  
**اما بعد:** ابتداء آفرینش سے حق و باطل میں معركہ ہوتا چلا آرہا ہے کہیں آمنے سامنے  
 اور کہیں گھات میں بیٹھے اپنے دشمن کے نظریات پر قلمی وار ہوتے ہیں اس امت میں  
 حق اہلسنت والجماعت کے ساتھ ہے اور جو اہل السنّت والجماعت ہیں وہ کبھی اس  
 سے روگردانی کا نہیں سوچتے، اس گروہ نے کبھی بھی اپنی مرضی دین میں نہیں چلائی اور  
 نہ ہی کسی کی مرضی چلنے دی جب کبھی ایسا موقع آیا کہ کوئی دین میں اپنی مرضی چلانے لگا  
 تو اس گروہ نے ہمیشہ اس کی دلائل اور براہین سے سرکوبی کی اور ان کے سامنے حق واضح  
 کیا اور بتایا کہ اگر قرآن مجید کی تفسیر، تفسیر بالرائے گمراہی ہے تو احادیث کی تشریع و  
 توضیح اپنی مرضی سے کیسے ہو سکتی ہے اس کی تشریع اور اس کے مضرات کو صحیح کیلئے صحابہ  
 کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور آئمہ مجتہدین کی طرف رجوع ضروری ہے، کہ جس  
 نجح پر کسی حدیث کے مندرجات کو انہوں نے بیان کیا ہے اسی مفہوم میں ہمیں بھی رہنا  
 ضروری ہے۔ گروہ اہل السنّت والجماعت کی ہمیشہ یہی کوشش رہی ہے کہ اسی مفہوم کو  
 عوام کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ عوام اپنے اعمال و عقائد و نظریات اسی کے مطابق  
 رکھیں مسئلہ "ایصال ثواب" ایک متفقہ مسئلہ تھا جس کو بعض افراد میں لیجا کر دین میں  
 اپنی مرضی داخل کرنے کے مرتكب ہوئے تو بعض تفريط میں جا کر اس متفقہ مسئلہ کے  
 انکاری ہو گئے جبکہ افراط و تفريط میں پڑے بغیر اعتدال پر قائم رہتے ہوئے اس مسئلہ  
 کی اپنی ایک اہمیت ہے، جس سے انکار نہیں کرنا چاہیے، ایک دن ایک صاحب کہنے  
 لگے کہ لوگ جو قرآن مجید اور دیگر سورتیں پڑھ کر مردوں کو بخشنے ہیں اس کا ثواب ان کو  
 نہیں پہنچتا۔ میں نے کہا کہ آپ کو یہ کس نے کہہ دیا؟ یا خود آپ عالم بزرخ میں دیکھ

آئے ہیں کہ مسلمانوں کی طرف سے اپنے اسلاف کو کیا جانے والا ایصال ثواب اکارت جاتا ہے جنہیں بھیجا جاتا ہے انہیں نہیں پہنچتا۔ وہ کہنے لگے کہ آپ کے پاس پہنچنے کا کوئی ثبوت ہے؟ میں نے کہا کہ، بلاشبہ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات، صحابہ کرامؓ کا عمل، علماء کرامؓ کی تصریحات جن لوگوں نے بھیجا ان کا مشاہدہ اور جن کیلئے بھیجا ان کی تصدیق، کتابوں میں موجود ہے۔ چنانچہ اشیخ الحکم ابن الہمام امام ابو حفص کبیرؓ سے نقل فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ سے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم اموات کی طرف سے جو صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کیلئے دعائیں کرتے ہیں کیا ان کا ثواب ان کو پہنچتا ہے؟ فرمایا! ہاں۔ ان کو ثواب پہنچتا ہے اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ جیسے تمہیں کوئی آدمی ہدیہ دے تو تم خوش ہوتے ہو۔ (رواهیں شرح بدایین ج ۲)

اس پر وہ صاحب کہنے لگے کہ مانا کہ یہ بات ایسے ہی ہے لیکن کسی ایک کے پڑھنے کا ثواب کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا میں نے یہ واقعہ سنایا جو یہاں بھی نقل کرتا ہوں۔ شیخ ابو یزید قرطبیؓ فرماتے ہیں میں نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ ”لا الہ الا اللہ“ محمد رسول اللہ پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے۔ میں نے یہ سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لئے بھی پڑھا اور کئی نصاب اپنے لئے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحب کشف ہے۔ جنت دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے مجھے اس بات کی صحت میں کچھ تردید تھا ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دفعۃ اس نے ایک چین ماری اور سانس پھولنے لگا اور کہنے لگا کہ میری ماں دوزخ میں جل رہی ہے۔ اس کی حالت مجھے نظر آئی۔ قرطبیؓ کہتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ماں کو بخش دوں جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تجربہ ہو جائے گا۔ چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا

ان نصابوں میں سے جو اپنے لئے پڑھے تھے اس کی ماں کو بخش دیا میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشتا تھا اور میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی۔ مگر وہ نوجوان فوراً کہنے لگا پچھا میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی۔ قرطبی کہتے ہیں مجھے اس قصے سے دو فائدے ہوئے ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار پر میں نے سنی تھی اس کا تجربہ ہوا و سرے اس نوجوان کی سچائی کا یقین ہو گیا۔

میں نے کہا کہ یہ ایک واقعہ ہے اس قسم کے نہ معلوم کتنے واقعات اس امت کے افراد میں پائے جاتے ہیں۔

پھر کہنے لگا کہ آپ مجھے اپنے اکابر کی لکھی ہوئی کوئی کتاب دیں جس میں یہ ساری باتیں دلائل کے ساتھ لکھی ہوں میں نے عرض کیا کہ اس پر حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقالہ لکھا تھا جو ہم نے چند سال قبل شائع کیا تھا لیکن وہ اب ختم ہے اس کی ایک کاپی موجود ہے اور حضرت مولانا محمد امین صدر اوکاڑوی نے بھی اس پر ایک مضمون لکھا ہے تو وہ ایک بار چونک گیا کہنے لگا کہ ”سچ“، مولانا اوکاڑوی نے لکھا ہے؟ میں نے کہا کہ بالکل میں نے وہ مقالہ جو تخلیات صدر جلد دوم میں موجود ہے وہ دکھایا پڑھ کر بہت متاثر ہوا کہنے لگا کہ اس کو تو الگ شائع ہو جانا چاہیے۔ میں نے کہا کہ حضرت اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس وقت جب میں نے مولانا نعمانی کا لکھا ہوا مقالہ ”ایصال ثواب“، ”شائع کیا تھا۔ فرمایا تھا کہ یہ انداز علمی ہے اور یہ اہل علم کیلئے ہے جو میں نے اس پر لکھا ہے وہ عوامی ہے جلدی سمجھ آ جاتا ہے اس کے ساتھ وہ بھی شائع کر دو تو میں نے حضرت سے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ جب یہ شائع کروں گا تو انشاء اللہ اس کے ساتھ یہ بھی شائع ہو گا۔ تو آپ کی توجہ دلانے پر انشاء اللہ العزیز جلد ہی اس کو بھی اس کے ساتھ ہی شائع کروں گا۔

پھر میں نے اس سے کہا کہ آپ نے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صدر مذکور العالی کا نام سنایے؟ کہنے لگا بالکل سنایے اور ان کی علمی شخصیت اور حدیث دانی

سے متاثر ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ فرق باطلہ کے رد میں جتنا حضرت شیخ نے کام کیا اور لکھا ہے وہ انہی کا مقام ہے تو میں نے پھر اس پر حضرت شیخ کی کتاب "المنهاج الواضح یعنی راہ سنت" کا وہ حصہ جس میں شیخ نے یہ سرخی قائم کی ہے "بدنی اور مالی طریقہ پر ایصال ثواب کا حکم" دکھایا پڑھ کر بہت متاثر ہوا ذیل میں وہ تمام عبارت جو حضرت شیخ دامت برکاتہم نے لکھی ہے وہ بھی افادہ عام کیلئے لکھی جاتی ہے۔

اور دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ دین میں خود رائی سے بھی بچائے اور مسلمہ مسائل میں اختلاف سے بھی بچائے آمین۔

فقط

قاری جمیل الرحمن اختر قادری نقشبندی مجددی  
خادم سلسلہ قادریہ راشدیہ و نقشبندیہ مجددیہ

### ملفوظات حضرت شیخ مولانا محمد سرفراز خان صفر مر مدظلہ

- (۱) عقائد میں لپک نہ ہو مگر بیان میں نرمی ہو (۲) پچاس سالہ تجربہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ہر بچے (غبی) کو قرآن حفظ نہیں کروانا چاہیے۔ (۳) قرآن و سنت کو مجموعی حیثیت سے جتنا علماء دیوبند نے سمجھا ہے ہماری دعویٰ ہے کہ خیر القرون کے بعد امت میں کسی نے نہیں سمجھا (۴) بحمد اللہ مجھے تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم پڑھاتے ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا لیکن کبھی اپنی رائے کو اجتہادی درجہ نہیں دیا بلکہ اکابر کی رائے کو ہی مقدم سمجھا، عزیز القدر طلباء اجتہاد نہ کرنا، اکابر کی رائے پر اعتماد کرنا اور اسلاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔

# تقریب طیش الحدیث حضرت مولانا زاہد الراسدی مدظلہ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

نحمدہ تبارک و تعالیٰ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی اہل  
و اصحابہ اجمعین۔

زیر نظر کتابچہ ایصال ثواب کے مسئلہ کے بارے میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی  
رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفر دامت برکاتہم اور حضرت مولانا امین صدر  
اوکاڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے افادات پر مشتمل ہے جس میں قرآن و سنت کی روشنی میں اس  
مسئلہ کیوضاحت کی گئی ہے۔ یہ رسالہ ہمارے فاضل دوست مولانا قاری جمیل الرحمن اختر  
مرتب کر کے شائع کر رہے ہیں۔

مولانا قاری جمیل الرحمن اختر ہمارے ایک بزرگ حضرت مولانا محمد اسحاق قادری  
رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند و جانشین ہیں جو امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری کے خصوصی  
شاگردوں میں سے تھے اور حضرت لاہوری کے خلیفہ مجاز صاحب السیف حضرت مولانا بشیر احمد  
پسروری سے انہیں سلسلہ عالیہ قادریہ راشدیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی۔ حضرت مولانا  
محمد اسحاق قادری نے ہورہ حدیث دار العلوم ڈیوبند میں والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان  
صدر اور عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی کے ساتھ کیا تھا۔ ان کامشناں ساری زندگی  
قرآن کریم کا ترجمہ و درس اور سلسلہ قادریہ کے مطابق لوگوں کی روحانی راہنمائی اور تربیت رہا  
ہے۔ جمیعیۃ علماء اسلام سے بھی زندگی بھروسہ رہے ہیں اور ایک دور میں وہ لاہور میں کئی سال  
تک جمیعیۃ کے ضلعی امیر رہے ہیں، قاری جمیل الرحمن اختر انہی کے فرزند و جانشین ہیں، انہوں  
نے دورہ حدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ میں کیا تھا، مسجد امن با غبانی پورہ لاہور میں اپنے  
والد محترم کی جگہ خطابت و امامت اور جامعہ حفییہ قادریہ کے اهتمام کے علاوہ روحانی سند کا  
سلسلہ بھی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ انہیں سلسلہ قادریہ میں اپنے والد محترم سے اور سلسلہ  
نقشبندیہ مجددیہ میں میرے والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفر دامت برکاتہم سے  
اجازت و خلافت حاصل ہے جبکہ پاکستان شریعت کوسل میں وہ ہمارے متحرک رفقاء میں سے

ہیں اور مرکزی سیکرٹری اطلاعات کی حیثیت سے مصروف کار ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اپنے اکابر کے مسلک پر رہتے ہوئے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی سرگرم ہیں۔ اب تک بیسیوں کتب شائع کر چکے ہیں جن میں (۱) خطیب اسلام حضرت مولانا عبدالشکور دین پوری رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کی چار جلدیں اور پانچویں جلد زیر طبع ہے (۲) مختلف اکابر کے خطبات جن میں میرے والد حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفر مدظلہ، حضرت مولانا مفتی محمود، حضرت مولانا محمد اجمل خان، حضرت مولانا قاری محمد حنیف ملتانی، حضرت مولانا محمد امین صدر او کاڑوی، حضرت مولانا عبدالکریم ندیم مدظلہ اور راقم کے بھی تین خطبات شامل ہیں (۳) جمۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے پوتے اور حضرت قاری محمد طیب کے برادر حضرت مولانا قاری محمد طاہر ظہیم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف اطیف التیف العوذ فی الاسلام ”جادو کی حقیقت اور اس کا قرآنی علاج“ کے نام سے جس پر حضرت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت میاں اصغر حسین دیوبندی، حضرت مولانا اعزاز علی، حضرت مولانا احمد علی لاہوری، حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا شمس الحق افغانی کی تقاریب ہیں۔ (۴) مولانا محمد ابو بکر غازی پوری (آف انڈیا) کی چار کتابیں اور (۵) مولانا عبدالکریم ندیم مدظلہ کی تذکرہ محبوب کبریا ﷺ، تذکرہ سیدنا حسین، (۶) اور تخلیات رمضان المبارک۔ (۷) ہمارے دوست مولانا ذاکر محمد اکرم ندوی مدظلہ کا سفر نامہ ارمغان حج۔ (۸) مولانا ابو احمد نور محمد تونسی مدظلہ کی الحیات بعد الوفات یعنی قبر کی زندگی شامل ہیں۔ نیز حضرت لاہوری کے ترجمہ قرآن کریم کے ساتھ اپنے والد مفسر قرآن مولانا محمد الحق قادری کے تحریر کردہ تفسیری حاشیہ پر کام کر رہے ہیں۔ اب حضرت والد صاحب مدظلہ اور مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا محمد امین او کاڑوی کے وہ مضامین جو مسئلہ ایصال ثواب کے موضوع پر ہیں افادہ عام کیلئے شائع کر رہے ہیں دعا ہے کہ اللہ کریم قارئین کو اس متفقہ مسئلہ کے بحثنے اور عمل کی توفیق نصیب فرمادیں۔ آمین۔

ابوعمار زاہد الراشدی

سیکرٹری جنرل پاکستان شریعت کونسل

# تحقیق مسئلہ ایصال ثواب

از استاذ الحمد شین شیخ الحدیث والفسیر حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صدر مدظلہ

## بدنی اور مالی طریقہ پر ایصال ثواب کا حکم

جمہور اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ میت کے لئے ایصال ثواب درست اور جائز ہے، خواہ بدنی عبادت ہو خواہ مالی ہو۔ البتہ بدنی عبادت میں (مثلاً نماز، روزہ اور تلاوت قرآن کریم وغیرہ) حضرت امام مالک اور حضرت امام شافعی اختلاف کرتے ہیں (شرح فقہ اکبر ص ۷۵ اور کتاب الروح ص ۲۳۵ وغیرہ) مگر اکثر حضرات شافعی اور حضرات موالک اس مسئلہ میں دیگر آئمہ کا ساتھ دیتے ہیں۔ حافظ ابن القیم نے (کتاب الروح از ص ۲۳۵ تا ص ۷۷) میں اس کی نقلي اور عقلی طور پر مبسوط بحث کی ہے۔ حق اور اقرب الی الصواب یہی بات ہے کہ بدنی اور مالی ہر قسم کی عبادت کا ثواب میت کو پہنچایا جاسکتا ہے مگر اس کے لئے چند بنیادی اور اصولی شرطیں ہیں۔ جب تک وہ نہ ہوں کوئی فائدہ نہیں ہوگا:

- (۱) میت مؤمن اور مسلمان صحیح العقیدہ ہو، گوتنی ہی گناہ گار کیوں نہ ہو، اور اسی طرح ایصال ثواب کرنے والا بھی مؤمن اور مسلمان ہو، ورنہ سب محنت رائیگاں ہوگی۔
- (۲) ایسی کسی عبادت میں ریا، نام و نمود و شہرت اور اپنی مصنوعی عزت اور ناک کی حفاظت کا ہرگز سوال نہ ہو اور نہ لوگوں کے طعن و تشنیع سے بچنے کا خیال ہی دل میں ہو، اور خیرات مَنَّ و اذَنَ (احسان جتنا نے اور اذیت دینے) سے بھی پاک ہو۔

مولانا عبدالجید صاحب غیر مقلد تحریر فرماتے ہیں کہ مرد جنم بدعت ہے۔ ہاں اگر خاموشی سے بلا ریا صدقہ کیا جائے خصوصاً صدقہ جاریہ وغیرہ تو اس کا ثواب میت کو پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح تلاوت قرآن کریم کا بھی انتہی بلطفہ (الحمدیث سوہرہ ۸ ستمبر ۱۹۳۹ ص ۶ کالم نمبر ۳) اور نواب صاحب لکھتے ہیں۔ ”وبودن اس تلاوت مجموع از برائے میت قادر نیست“، (دلیل الطالب ص ۳۹۸)

(۳) جو مال صدقہ و خیرات میں دیا جائے وہ حلال اور طیب ہو۔ خبیث، ناپاک اور غلوں (خیانت) وغیرہ کا غیر طیب مال ہرگز نہ ہو جیسا کہ قرآن کریم، صحیح احادیث اور اقوال حضرات فقہاء کرام سے یہ بالکل واضح ہے۔

(۴) جس مال کا صدقہ اور خیرات دی جائے اس میں کوئی وارث غائب اور نابالغ بچہ نہ ہو، ورنہ اس کا صدقہ کرنا بلا خلاف حرام اور موجب عذاب خداوندی ہے۔

(۵) جو قرآن کریم میت کو پڑھ کر بخششا جائے وہ بلا معاوضہ اور بلا اجرت پڑھا جائے۔  
(۶) اپنی طرف سے دنوں کی اور خاص کیفیتوں کی تعین نہ کی جائے اور نہ کھانے کے اقسام میں یہ تعین ہو۔

(۷) یہ کھانا صرف فقراء اور مسَاکین کو دیا جائے، برادری کو اور اغنسیاء کو نہ کھلایا جائے۔ ان میں بعض ایسے امور ہیں جن میں کسی ادنیٰ کلمہ گو کو بھی شک و شبہ نہیں ہو سکتا، اور ان کا ثبوت قرآن کریم اور صحیح احادیث سے بخوبی واضح ہے بعض وعاوی کے اختصاراً دلائل سن لیجئے۔

### حرام مال کا صدقہ ناجائز ہے

قرآن کریم میں آتا ہے کہ لَا تَيَمِّمُوا الْخَبِيْثَ كہ خبیث شاہر ناپاک اور ردی چیز اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کی کوشش نہ کرو۔ حدیث شریف میں آتا ہے لا يقبل الله صدقة من غلوں۔ (ترمذی ج ۲ ص ۲۹۹) یعنی اللہ تعالیٰ حرام مال سے صدقہ قبول نہیں کرتا اور حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں:

ولو علم الفقير انه من الحرام و دعا له و امن المعطى كفرا

(شرح فقه اکبر ص ۲۳۳ کا نپوری)

یعنی اگر فقیر کو معلوم ہو کہ یہ مال جو مجھے دیا جا رہا ہے حرام ہے اور اس نے دینے والے کے حق میں دعا کی اور دینے والے نے آمین کہی تو دنوں کا فر ہو جائیں گے۔ اور یہی عبارت فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۹۹ میں بھی موجود ہے۔

امام قاضی خاں لکھتے ہیں:

و ان اتخذ طعاماً للفقراء کان حسناً اذا كانوا بالغين فان کان في الورثة صغيراً لم يتخذوا ذلک من الترکة۔ (قاضی خاں ج ۲۳ ص ۸۱ نوکشور) کہ اگر میت کے ترکہ سے فقراء کیلئے کھانا تیار کر لیا جائے تو اچھا ہو گا جبکہ وارث سب بالغ ہوں اور اگر وارثوں میں کوئی ایک بھی نابالغ ہو تو ترکہ سے یہ کھانا تیار نہیں کیا جاسکتا۔

اور علامہ شامی لکھتے ہیں:

حدیث جریر یدل علی الكراهة ولا سيما اذا کان في الورثة صغراً أو غائب۔ (شامی ج اص ۸۳)

حضرت جریرؓ کی روایت کراہت پر دلالت کرتی ہے خصوصاً جبکہ وارثوں میں چھوٹے بچے ہوں یا کوئی وارث غائب ہو۔

اور بلاعی القاری لکھتے ہیں کہ:

بل صح عن جریرؓ کنا نعده من النياحة وهو ظاهرافي التحرير  
قال الغزالى ويكره الاكل منه قلت هذا اذالم يكن من مال اليتيم والغائب  
(مرقات على المشكوة ج اص ۱۵)

بلکہ حضرت جریرؓ کی حدیث سے ثابت ہے کہ میت کے ہاں سے کھانے کو حضرات صحابہ کرام توحید کی طرح سمجھتے تھے اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا کھانا حرام ہے۔ امام غزالیؓ کہتے ہیں کہ ایسا کھانا مکروہ ہے۔ میں کہتا ہوں یہ کراہت اس وقت ہو گی، جب کہ میت کے وارثوں میں کوئی نابالغ یا غائب نہ ہو، ورنہ یہ بلا اختلاف حرام ہو گا۔

ان عبارات سے یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ میت کے وارثوں میں اگر سب ہی بالغ اور حاضر ہوں تب بھی ایسا کھانا مکروہ ہے بلکہ بظاہر حرام ہے، اور اگر میت کے وارثوں میں کوئی نابالغ یا کوئی وارث غائب ہو تو بالاتفاق ایسا کھانا حرام ہو گا۔

اور فقراء کے لئے بھی ایسا کھانا ناجائز ہوگا۔

خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

”غالباً اور شہ میں کوئی یتیم یا اور بچہ نابالغ ہوتا یا بعض ورثاء موجود نہیں ہوتے، نہ ان سے اس کا اذن لیا جاتا جب تو یہ امر سخت حرام شدید پر متضمن ہوتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے اِنَّ الَّذِينَ يَا كُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَمَى ظُلْمًا إِنَّمَا يَا كُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيُصْلَوْنَ سَعِيرًا بے شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں، بلا شبه وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور قریب ہے کہ جہنم کے گھراؤ میں جائیں گے۔ مال غیر میں بے اذن غیر تصرف خود ناجائز ہے۔ قال اللہ تعالیٰ لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ خصوصاً نابالغ کامال ضائع کرنا جس کا اختیار نہ خود اسے نہ اس کے باپ نہ اس کے وصی کو۔ لَانِ الْوَلَايَةَ لِلنَّظَرَه للضرر على الخصوص اگر ان میں کوئی یتیم ہو تو آفت سخت تر ہے والعياذ بالله رب العلمین ہاں اگر محتاجوں کے دینے کو کھانا پکوانیں تو حرج نہیں بلکہ خوب ہے بشرطیکہ یہ کوئی عاقل بالغ اپنے مال خاص سے کرے یا ترکہ سے کریں تو سب وارث موجود بالغ و نابالغ راضی ہوں (احکام شریعت حصہ سوم ص ۱۹۳) خان صاحب کی یہ عبارت قابل داد ہے۔

مگر ان کا یہ مجددانہ مغالطہ قابل غور ہے کہ جب نابالغ کو اپنے مال کا باقرار خان صاحب خود بھی اختیار نہیں تو پھر بالغ و نابالغ راضی ہوں کا کیا مطلب ہے؟ نابالغ کی رضا کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ فقهاء احناف نے تصریح کی ہے:

لاتجوز و صیة الصبی اذا لم يكن مراها حق عندنا.

(قاضی خان ج ۲ ص ۸۳۷)

یعنی نابالغ لا کے کی وصیت ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے جبکہ مراها حق (حد بلوغ کو پہنچنے والا) نہ ہو۔

اور سراجیہ ص ۱۳۷ میں ہے:

وصیة الصبی باطلة

نابالغ کی وصیت باطل ہے۔

مولوی عبدالسمع صاحب لکھتے ہیں:

”جب کوئی آدمی مر جاوے اور کوئی شخص اس کا عزیز و قریب اپنے خاص مال میں سے اس کے لئے فاتحہ کرے۔ اس میں کسی فقیہ و محدث کو کلام نہیں اور خاص میت کا مال اگر اس کام میں صرف کرنے لگیں تو اس میں یہ شرط ہے کہ اس کے وارثوں میں کوئی نابالغ لڑکی یا لڑکا نہ ہو اس لئے کہ ترکہ بعد مر نے مورث کے ملک وارثوں کا ہو جاتا ہے۔ پس اگر وارث بالغ ہیں تو وہ مال خاص ان کا ہو گیا۔ اگر کوئی وارث ان میں غائب نہیں، سب موجود ہیں یا کوئی غائب تھا اور اس نے اجازت دے دی تو اس صورت میں ان کو اختیار ہے جس قدر چاہیں میت کے لئے صرف کر دیں، اور اگر سب نابالغ ہیں تو ترکہ میت سب ان کی ملک ہو گیا۔ اس کا صرف کردینا میت کے ایصال ثواب میں جائز نہیں، نہ کپڑا، نہ کھانا، نہ روپیہ نہ پیسہ۔ فقط تجہیز و تکفین میں جو اٹھے وہی درست ہے اور بس۔ اور اگر بعضے وارث نابالغ ہیں تب بھی بالغوں کا حصہ کل اشیاء ترکہ میں مشترک ہے اس کا صرف کرنا بھی ایصال ثواب کے لئے جائز نہیں اخ” (انوار ساطعہ ص ۱۲۵)

مفتشی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ:

”نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہو تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصے سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی اولاد مال میت تقسیم ہو جائے، پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے۔ ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہو گا کہ بغیر مالک کی اجات یا بچہ کا مال کھانا ناجائز ہے۔ یہ ضرور خیال رہے“ (جائے الحق ص ۲۵۶)

مگر مفتی صاحب بھی جانتے ہیں کہ اس زمانہ میں ایک فی صدی تیجہ، ساتواں، دسویں اور چالیسویں وغیرہ بھی شاید بمشکل ایسا ہو جس میں شرعی طور پر مال ترکہ تقسیم ہو چکنے کے بعد بالغ وارث صرف اپنے حصہ سے یہ صدقہ کرتے ہوں۔ اور

کتنے مولوی، حافظ اور پیر ہیں جو تیجہ، ساتواں اور دسوائیں وغیرہ مجالس میں شریک ہونے سے قبل یہ سوال کر لیتے ہیں کہ اس ترکہ میں کوئی نابالغ یا غائب وارث تو شامل نہیں اور کیا اس کی شرعی تقسیم ہو چکی ہے یا نہیں؟

## تلاؤت قرآن کریم پر اجرت لینا

قرآن کریم کا پڑھنا ایک بہت عمدہ عبادت ہے، اور پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخشتا جاسکتا ہے بشرطیکہ ایصال ثواب کے لئے جو قرآن کریم پڑھا گیا ہواں پر اجرت نہ لی گئی ہو، خواہ اجرت پہلے طے کی گئی ہو۔ یا طے نہ کی گئی ہو مگر عرف اور رواج سے یہ معلوم ہو کہ کچھ نہ کچھ اجرت ضرر ملے گی لان المعہود کا المشروط اور فقہاء احناف نے اس کی وضاحت کی ہے۔ چنانچہ تاج الشریعت محمود بن احمد الحنفی (المتونی ۳۷۱ھ) شرح بدایہ میں لکھتے ہیں:

ان القرآن لا يستحق بالاجرة الشواب لاللميت ولا للقارىء  
(بکواله انوار ساطعہ ص ۱۰۷)

کہ جو قرآن کریم اجرت پر پڑھا جاتا ہے اس کا ثواب نہ تو میت کو پہنچتا ہے اور نہ پڑھنے والے کو۔

اور علامہ عینی الحنفی لکھتے ہیں کہ:

الاحذو المعطى اثمان، فالحاصل ان ما شاع في زماننا من

قراءة الأجزاء بالاجرة لا يجوز .  
(بنایہ شرح بدایہ ج ۳ ص ۲۵۵)

قرآن کریم کی تلاوت پر اجرت لینے والا اور دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ حاصل یہ کہ ہمارے زمانہ میں جو قرآن کریم کے پاروں کا اجرت کے ساتھ پڑھنا راجح ہو چکا ہے، وہ جائز نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی پوری تشریح علامہ شامیؒ نے کی ہے، فلیراجع

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی تلاوت قرآن کریم پر اجرت لینے کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

صورت اول آنکہ ثواب قرآن خواندہ خود را بعض مبلغ کذا بست کے بغروشندا ایں صورت محض باطل است باجماع اہل سنت الی ان قال صورت دوم آنکہ شخص را برابر ختم نمودن قرآن بمزدوری بگیرند و ثواب آں ختم بمتاجر بر سردا ایں صورت نزد حنفیہ جائز نہیں و زاد شافعیہ طول و تفصیلے دارد۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸)

(مفہوم عبارت: پہلی صورت یہ کہ قرآن کریم پڑھنے کا ثواب جو پڑھنے والے کو ملا ہے کسی شخص کے ہاتھ فروخت کرنا بالکل باطل ہے۔ دوسری صورت یہ کہ ایک شخص قرآن پڑھنے کی مزدوری لیتا ہے اور ثواب اس کا جس سے مزدوری لی اس کو دیتا ہے یہ صورت احناف کے نزدیک جائز نہیں ہے، شافعیہ کے نزدیک اس میں لمبی تفصیل ہے۔) اور مولانا عبدالحی صاحب لکھنؤی نے حضرات فقہاء کرام کے متعدد حوالوں سے یہ امر ثابت کیا ہے کہ اجرت لے کر قرآن کریم پڑھنا اور تسبیح و تہلیل کرنا باطل ہے۔ نہ اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے اور نہ پڑھنے والے کو۔ (دیکھئے مجموعۃ الفتاویٰ ج ۲ ص ۸۷)

حافظ ابن القیم لکھتے ہیں کہ:

واما قراؤ القرآن واهدائها له تطوعاً بغير اجرة فهذا يصل اليه كما يصل ثواب الصوم والحج . (کتاب الرؤا ج ۱ ص ۵۷)

قرآن کریم کا اجرت کے بغیر پڑھ کر بطور تبرع کے اس کا ثواب میت کو بخشن صحیح ہے اور اس کا ثواب اس کو پہنچتا ہے جیسا کہ روزہ اور حج کا ثواب اس کو پہنچتا ہے۔

حضرت مالکی القاری لکھتے ہیں کہ:

ثم قراؤ القرآن واهدائها له تطوعاً بغير اجرة يصل اليه (شرح فتاویٰ اکبر ص ۱۶۰ طبع کانپور)

قرآن مجید کا بغیر اجرت کے محض اللہ پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بدیہی کرنا درست ہے۔

علامہ صدر الدین علی بن محمد الاذرعی الدمشقی الحنفی (المتوفی ۴۲۷ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:

واما استي جار قوم يقرأون القرآن ويهدونه للميٰت فهذا لم يفعله أحد من السلف ولا امر به أحد من أئمّة الدين ولا رخص فيه والا ستي جار عن نفس التلاوة غير جائز بلا خلاف۔ (شرح عقيدة الطحاوي ص ۳۸۶ طبع مصر)  
 اجرت پر قرآن کریم کی تلاوت کر کے اس کا ثواب میت کو ہدیہ کرنا تو سلف میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا اور نہ حضرات ائمّہ دین میں سے کسی نے اس کا حکم اور اجازت دی ہے۔ نفس تلاوت پر اجرت ناجائز ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔  
 بجا معلوم ہوتا ہے کہ خان صاحب بریلوی کا حوالہ نقل کر دیا جائے تاکہ اس پر جسری ہو جائے۔

**مسئلہ:** بعض لوگ بعد دفن کر دینے میت کے حافظ کو اس کی قبر پر واسطے تلاوت سوم تک یا کچھ کم و بیش بٹھاتے ہیں اور وہ حافظ اپنی اجرت لیتے ہیں۔ پس اس طرح کی اجرت دے کر قبروں پر پڑھوانا چاہیئے یا نہیں؟ بینوا تو جروا۔

**الجواب:** تلاوت قرآن عظیم پر اجرت لینا دینا حرام ہے اور حرام پر استحقاق عذاب ہے، نہ کہ ثواب پہنچے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ حافظ کو اتنے دنوں کے لئے معین داموں پر کام کا ج کیلئے نوکر رکھ لیں۔ پھر اس سے کہیں ایک کام یہ کرو کہ اتنی دیر قبر پر پڑھ آیا کرو، یہ جائز ہے۔ (احکام شریعت حصہ اول ص ۶۳)

مگر خان صاحب ہی از راہ کرم یہ فرمائیں کہ یہ طریقہ کون کرتا ہے؟ اور کہاں ہوتا ہے؟

مولوی عبدالسمیع صاحب لکھتے ہیں: اگر حافظوں کو مزدوری دے کر قرآن پڑھو ایس یہ البتہ مکروہ ہے۔ اس کی تصدیق کتب فقہ میں موجود ہے انج (النوار ساطعہ ص ۱۰۷) جو ہرہ نیزہ نج اس ۲۷ میں ہے ”لایجوز هوا المختار“ یہ جائز

نہیں ہے یہی مختار ہے۔

حضرت مولانا گنگوہی صاحبؒ نے کیا خوب فرمایا ہے:

”پس جو کچھ ملاؤں کو دیا جاتا ہے وہ اجرت ان کے پڑھنے کی ہے، اور جو پڑھائی کہ اجرت پر ہوتی ہے اس کا ثواب نہ پڑھنے والے کو ہوتا ہے اور نہ مردہ کو۔ لہذا یہ عمل ان کا باطل اور لینا دینا دونوں حرام اور موجب ثواب کا نہیں بلکہ گناہ ہے۔ مردہ کو اس کا ثواب نہیں ہوتا ہے اور دینے والے اور لینے والے دونوں گناہ گار ہوتے ہیں۔ اس کا ثواب نہیں ہوتا ہے اور دینے والے اور لینے والے دونوں گناہ گار ہوتے ہیں۔ لہذا اس کام کا ترک بھی واجب ہے۔ اگر لوجه اللہ ثواب پہنچانا منظور ہے تو ہر شخص اپنے مکان پر پڑھ کر ثواب پہنچادے، اور تیرے دن کا کیوں انتظار کیا جائے۔ نفس ایصال ثواب کو کوئی منع نہیں کرتا اگر بلا تعین ہو مگر ان قیود و خصوصیات کے ساتھ بدعت بھی ہے اور ثواب بھی نہیں پہنچتا۔“ (فتاویٰ رشید یون ۲ ص ۸۳)

الغرض اس نکتہ پر خان صاحب بریلوی اور مولانا گنگوہی صاحبؒ دونوں متفق ہیں کہ ایصال ثواب کے لئے جو قرآن کریم پڑھا جاتا ہے اس پر اجرت لینا دینا دونوں حرام ہیں اور ثواب کچھ نہیں ہوتا؛ بلکہ اس پر استحقاق عذاب ہے۔ اب جو لوگ اس مسئلہ میں علماء دیوبند کوستے ہیں، تو ان کو بغور سوچ لینا چاہیے کہ طعن کس پر ہو گا؟ یوں نظر دو ڈے نہ برقچی تان کر اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

### نوٹ ضروری

قرآن کریم کی تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کے معاوضہ میں اجرت اور تنخواہ لینا نیز مؤذن، امام و خطیب اور قاضی کے لئے اجرت و تنخواہ لینا جائز ہے۔ حضرات خلفاء راشدینؓ نے اپنے دور میں ان حضرات کو وظیفے اور تنخواہیں دیں۔ اگر یہ کارروائی ناجائز ہوتی تو یقیناً حضرات خلفاء راشدینؓ اس کا بھی بھی ارتکاب نہ کرتے۔ اور حضرات خلفاء راشدینؓ کا عمل اور سنت فحوائے حدیث علیکم بستی و سنتہ الخلفاء الرashdien (الحدیث) امت کے لئے مشعل راہ ہے جس سے ان کیلئے کوئی مخاصص

نہیں ہے۔ امام ابوالفرج عبد الرحمن ابن جوزی الحسنی (المتوفی ۴۵۹ھ) لکھتے ہیں:  
 ان عمر بن الخطاب و عثمان بن عفان کا نیز قان المؤذنین  
 والائمه والعلماء۔ (سیرت العریان لا بن جوزی ص ۱۶۵)  
 حضرت عمر بن الخطاب اور عثمان بن عفان مذکور اماموں اور معلموں کو  
 وظائف اور تخصیصیں دیا کرتے تھے۔

امام جمال الدین ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الزیلیعی الحنفی (المتوفی ۴۷۲ھ)  
 نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر معلمین کو وظیفہ دیا کرتے تھے (نصب الرایج ص ۳۷۲)  
 حضرات فقہاء کرام کے وظائف کے متعلق علامہ ابن جوزی نے تفصیلات نقل کی ہیں اور  
 یہ بھی نقل کیا ہے کہ کس فقیہ کو کس شہر میں تعلیم فقه پر مأمور کیا گیا تھا (سیرت العریان ص ۱۶۸)۔  
 اور نظام العالم والامم ج ۲ ص ۱۸۳ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر نے قضاۃ (یعنی شرعی طور  
 پر چنگروں میں فیصلہ کرنے والے قاضیوں اور ججوں) کے لئے بھی وظائف اور تخصیصیں  
 مقرر کی تھیں۔ اور کتاب الخزان القاضی ابی یوسف میں اس کی مزید تشریح موجود ہے  
 اسی میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام ابو عبدیل قاسم بن سلام (المتوفی ۴۲۲ھ) رقم طراز ہیں کہ:  
 ان عمر بن الخطاب کتب الی بعض عمالہ ان اعط الناس  
 علی تعلم القرآن۔ (کتاب الاموال ص ۲۶۱)  
 حضرت عمر نے اپنے بعض گورزوں کو لکھا کہ قرآن کریم پڑھنے والوں کا  
 وظیفہ مقرر کرو۔

اس پر بعض عمال نے یہ لکھا کہ بعض لوگوں نے قرآن کریم سیکھنے کی رغبت  
 اور شوق کے بغیر مخفی وظیفہ حاصل کرنے کی خاطر طالب علم بننا اختیار کر لیا ہے، مگر  
 حضرت عمر نے اس کے باوجود ان لوگوں کا وظیفہ بند نہیں کیا۔  
 اور علامہ زیلیعی باحوالہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

ان عمر بن الخطاب کتب الی بعض عمالہ ان اعط الدس  
علی تعلیم القرآن۔ (نصب الرایج ج ۲ ص ۱۳۷)

حضرت عمر نے اپنے بعض عاملوں کو لکھا کہ جو لوگ قرآن کریم کی تعلیم دیتے  
اور پڑھاتے ہیں ان کو وظیفہ دو۔

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت یزید بن ابی مالک اور حضرت  
حارث بن یجاد اشعری کو بھیجا کہ وہ دیہات میں لوگوں کو دین اور فقہ سکھائیں اور ان کے  
لئے روزینہ مقرر کیا۔ یزید بن ابی مالک نے تو قبول کر لیا مگر حارث نے وظیفہ لینے سے  
انکار کر دیا (کتاب الاموال ص ۲۶۶) بظاہر ان کی مالی حالت اچھی اور مضبوط تھی اس لئے  
انہوں نے بلا معاوضہ ہی یہ خدمت انجام دی جیسا کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت  
علیؑ بیت المال سے وظائف لیا کرتے تھے لیکن حضرت عثمان چونکہ کافی مال دار اور غنی  
تھے اس لئے انہوں نے زمانہ خلافت میں اپنی خاطر بیت المال پر بالکل بوجھ نہیں ڈالا۔  
قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربي المالکی (المتومنی ۵۳۳ھ) اس مسئلہ پر  
بحث اور اختلاف نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحیح بات یہ ہے کہ اذان، نماز، قضا اور  
تمام اعمال دینیہ پر اجرت لینا جائز ہے، کیونکہ امیر المؤمنین اور خلیفہ ان تمام امور پر  
اجرت لیتا ہے (بحوالہ نیل الا وطار ج ۲ ص ۶۱ و تحفۃ الا حوذی ج ۱ ص ۱۸۲) حضرت امام نووی  
الشافعی فرماتے ہیں کہ حدیث و اضربوالی بسهم (الحدیث) میں تصریح ہے کہ  
رقیہ دم اور جھاڑ پھونک پر سورہ فاتحہ اور ذکر پڑھ کر اجرت لینا جائز ہے اور یہ بالکل حلال  
ہے اس میں کوئی کراہت نہیں۔ اور اسی طرح تعلیم قرآن کریم پر بھی اجرت لینا جائز  
ہے۔ اور یہی حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد، حضرت امام اسحاق،  
حضرت امام ابو ثور اور دیگر حضرات سلف صالحین اور ان کے بعد آنے والے حضرات کا  
سلک ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ نے تعلیم قرآن کریم پر اجرت لینا منع کیا ہے البتہ  
رقیہ پر اجرت لینے کے جواز کے وہ بھی قائل ہیں۔ (شرح مسلم ج ۲ ص ۲۲۲)

ان تمام ٹھوس حوالوں سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ امام مسجد، مؤذن، قرآن کریم کی تعلیم دینے والا معلم اور قاری، فقہاء اور دین کی تعلیم دینے والا مدرس اور اسی طرح فصل خصومات کرنے والا قاضی اور نجح وظیفہ، اجرت اور تنخواہ لے سکتے ہیں اور حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت عمر بن عبدالعزیز جیسے حضرات خلفاء راشدین کی طرف سے یہ وظائف اور تنخواہ ہیں ان کے لئے مقرر کی گئی تھیں اور اسلامی مملکت میں بیت المال اس بوجھ کا متتحمل تھا۔ جہاں بیت المال نہ ہو (جیسا کہ مسلمانوں کی بقدمتی سے اس پرفتن دور میں نہیں ہے) تو وہاں اہل اسلام پر لازم ہے کہ وہ یہ بوجھ اٹھائیں تاکہ تبلیغ دین کا سلسلہ جاری رہے اور اس طریقہ سے دین کا احیاء ہوتا رہے ورنہ نام موافق ہواں میں دین کا یہ چراغ بجھ جائے گا۔ خدا تعالیٰ اس کو روشن رکھے اور بھجنے نہ دے بے دینی کی آندھیاں تو ہر طرف سے اٹھ رہی ہیں۔

ہواں کا رخ بتا رہا ہے ضرور طوفان آرہا ہے  
نگاہ رکھنا سفینہ والو اٹھی ہیں موجیں کدھر سے پہلے

### مسئلہ اجرت اور حضرت امام ابوحنیفہ

حضرت امام نووی کا حوالہ اور گذر چکا ہے اور دیگر بہت سے حضرات فقهاء کرام نے امام الائمه حضرت ابوحنیفہ نعمان بن ثابت (المتوفی ۱۵۰ھ) سے تعلیم قرآن کریم پر اجرت لینا مکروہ اور منوع نقل کیا ہے۔ انہوں نے کمال ورع اور تقویٰ کی بنابر ان دینی امور پر اجرت لینا منع کیا؟ یا مال دار اور غنی لوگوں کے لئے انہوں نے اجرت لینا مکروہ کہا؟ یا اس لئے کہ ان دینی کاموں پر اجرت لینے کو مقصود بالذات سمجھ کر دنیا بئور نے کاذریعہ ہی نہ بنالیا جائے؟ اور یا اس لئے کہ خیر القرون میں نادار اور مفلس خدام دین کو بیت المال سے باقاعدہ تنخواہیں اور وظیفے ملتے، اس لئے ان لوگوں کو الگ اجرت اور تنخواہ لینا مکروہ سمجھا؟ الغرض حضرت امام صاحبؒ کے اس فتویٰ کی بنیاد کئی امور پر ہو سکتی ہے اور انہی کے فتویٰ پر صاد کہتے ہوئے حضرات متقدیں فقهاء احنافؒ نے

اس اجرت کو مکروہ فرمایا۔ لیکن جب بیت المال کا نظام درہم برہم ہو گیا تو حضرات فقهاء احناف میں متاخرین حضرات کو زمانہ کی اہم ضرورت کے بارے میں سوچنا پڑا۔ اور پھر انہوں نے متفقہ طور پر جواز کا فتویٰ دیا۔ چنانچہ امام قاضی خان الحنفی فرماتے ہیں کہ:

انماکرہ المتقدمون الاستیجار لتعليم القرآن وکرھوا اخذ الاجر على ذلك لانه كان للمعلمین عطیات في بیت المال في ذلك الزمان وكان لهم زيادة رغبة في امرالدین واقامة الحسبة وفي زماننا انقطع عطیاتهم وانتقضت رغائب الناس في امرا الآخرة فلو اشتغلوا بالتعليم بالحاجة الى مصالح المعاش لاختل معاشهم قلنا بصححة الاجارة ووجوب الاجرة للمعلم بحيث لو امتنع الوالد عن اعطاء الاجر خُبس فيه ۱۵ (فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۲۳۲ طبع نولکشور لکھنؤ)

بلاشبہ حضرات متقد میں نے تعلیم قرآن کریم پر کسی کو اجرت دیکر ملازم رکھنا مکروہ سمجھا ہے اور اس پر اجرت لینا بھی مکروہ قرار دیا ہے کیونکہ اس زمانہ میں معلمین کے لئے بیت المال میں عطیات مقرر ہوتے تھے نیز امور دین اور اللہ فی اللہ کام کرنے میں ان حضرات کی رغبت زیادہ تھی اور ہمارے زمانہ میں عطیات بھی منقطع ہو چکے ہیں اور آخرت کے معاملہ میں لوگوں کی رغبتوں بھی کم ہو چکی ہیں۔ سو اگر ایسے لوگ ناداری کی حالت میں تعلیم کا شغل جاری رکھتے ہوئے روزی کمانے میں مصروف ہونے تو ان کی کمائی میں سخت خلل پڑے گا۔ اس لئے ہم نے یہ کہا کہ یہ اجارت صحیح ہے اور معلم کے لئے اجرت واجب ہے۔ اب اگر تعلیم پانے والے شاگرد کا والد (اور موجودہ اصطلاح میں مدرسہ، ادارہ اور مہتمم) معلم کو تنخواہ دینے سے گریز کرے تو اسے گرفتار کیا جائے گا۔

حضرات فقهاء احناف میں فقیہ النفس ہونے کے لحاظ سے جو مقام امام قاضی خان گا ہے، وہ اہل علم حضرات سے مخفی نہیں ہے۔ علامہ ابن الجیم الحنفی (الملقب بابی حدیفۃ الثانی) فرماتے ہیں:

اماعلى المختار للفتوی فی زماننا فیجوز اخذ الاجر للامام والمؤذن  
والعلم والمفتی اهـ۔ (بحارائق ج ۲۵۲ ص ۲۵۲)

بہر حال ہمارے زمانہ میں فتوی کے لئے مختار قول یہ ہے کہ امام اور مؤذن  
اور معلم اور مفتی کو اجرت لینا جائز ہے۔

اور صاحب ہدایہ بھی یہی تصریح فرماتے ہیں کہ اب فتوی جواز پر ہے (ہدایہ ج ۲  
ص ۱۵) اور اسی طرح علامہ بدرا الدین <sup>العینی الحنفی</sup> صراحت فرماتے ہیں۔

(ملاحظہ: ہونایہ شرح ہدایہ ج ۳ ص ۶۵۵)

حضرات فقہاء کرام کی ان واضح تصریحات کے بعد مطلقاً حاجت اور  
ضرورت نہیں کہ ہم اجرت لینے کی ممانعت کے دلائل کا تذکرہ کر کے پھر ان کے تفصیلی  
جوابات عرض کریں۔ صرف اجمالي طور پر یہ کہہ دینا ہی کافی ہے کہ جن بعض آیات اور  
احادیث سے عدم جواز اجرت بر تعلیم قرآن کریم پر استدلال کیا گیا ہے وہ ممانعت  
میں نص اور معین المعنی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو محال تھا کہ حضرات خلفاء راشدین اور  
حضرات ائمہ ثالثۃ اور جمہور علماء کرام اور متاخرین حضرات فقہاء احناف اس کے  
خلاف فتوی صادر کرتے کیونکہ قرآن کریم کی وہ آیات اور احادیث ان کے پیش نظر  
بھی تھیں اور احادیث اس سلسلہ کی اکثر ویژت ضعیف ہیں۔ اور اگر بعض صحیح ہیں تو  
حضرت امام <sup>بنیہنی</sup> وغیرہ نے ان کے منسوخ ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔

(ملاحظہ: ہوسنی المیر ج ۳ ص ۳۲۲ للعزیزی)

**فائده:** کسی بیمار اور مصیبت زدہ وغیرہ پر قرآن کریم پڑھ کر یا تعریز لکھ کر اجرت لینا  
جاز ہے۔ صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۵۲ وغیرہ کی یہ روایت ان احق ما اخذتم علیہ  
اجرا کتاب اللہ (او کما قال کہ زیادہ مناسب وہ چیز جس پر تم اجرت لو، کتاب  
اللہ ہے) اس کی دلیل ہے۔ لیکن یاد رہے کہ اس سے رقیہ اور جہاڑ پھونک وغیرہ پر  
اجرت لینا مراد ہے، ایصال ثواب پر اجرت لینا مراد نہیں ہے۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

(فتاوی ج ۱۹۸ ص ۲۴)

المراد الرقیۃ لا التلاوۃ.

اس سے مراد جھاڑ پھونک ہے۔ تلاوت نہیں ہے۔

علامہ عزیزی اس کی تصریح کرتے ہیں کہ جھاڑ پھونک پر قرآن کریم کی

(السراج المنیر ج ۱ ص ۳۸۵)

تلاوت پر اجرت لینا جائز ہے۔

## ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعین

میت کے لئے دعا اور استغفار کرنا اور صدقہ و خیرات دینا اور بلا اجرت کے قرآن کریم پڑھ کر ایصال ثواب کرنا، اسی طرح نفلی نمازو روزہ اور حج وغیرہ سے میت کو ثواب پہنچانا جائز اور صحیح ہے۔ لیکن ایصال ثواب کیلئے شریعت حقہ نے دنوں اور تاریخوں کی کوئی تعین و تخصیص نہیں کی ہے۔ اور پہلے باحوالہ یہ گذر چکا ہے کہ اپنی طرف سے ایسی تعین کرنا بدعت ہے۔ دلائل اربعہ میں سے کوئی دلیل اس پر دال نہیں ہے کہ ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعین ضروری ہے بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ رسم مسلمانوں نے اہل ہند سے ملی ہے، کیونکہ ان کے نزدیک ایصال ثواب کے لئے دنوں کی تعین ہے۔ چنانچہ مشہور مؤرخ علامہ بیرونی (المتوفی ۳۳۰ھ) لکھتے ہیں کہ اہل ہند کے نزدیک جو حقوق میت کے وارث پر عائد ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ضیافت کرنا اور یوم وفات سے گیارہویں اور پندرہویں روز کھانا کھلانا، اس میں ہر ماہ کی چھٹی تاریخ کو فضیلت ہے۔ اسی طرح اختتام سال پر بھی کھانا کھلانا ضروری ہے۔ نو دن تک اپنے گھر کے سامنے طعام پختہ و کوزہ آب رکھیں ورنہ میت کی روح ناراض ہوگی اور بھوک و پیاس کی حالت میں گھر کے ارد گرد پھرتی رہے گی۔ پھر عین دسویں دن میت کے نام پر بہت سا کھانا تیار کر کے دیا جائے اور آب خنک دیا جائے اور اسی طرح گیارہویں تاریخ کو بھی۔ نیز لکھا ہے کہ ماہ پوس میں وہ حلوا پکا کر دیتے ہیں اور یہ بھی ہے کہ برہمن کے کھانے پینے کے برتن بالکل علیحدہ ہوں (کتاب البندص ۲۷ ص ۲۸۲ مصلہ)

اور یہی کچھ براۓ نام مسلمان کرتے ہیں کہ حلو اور پانی بھی سامنے رکھا جاتا ہے اور ملا جی کے برتن بھی الگ ہوتے ہیں اور دنوں کی تعین بھی کی جاتی ہے خصوصاً دسویں گیارھویں اور اختتام سال کے بعد سالانہ عرس۔ مشہور نو مسلم عالم (جو پہلے پنڈت تھے) مولانا عبداللہ صاحب لکھتے ہیں کہ ..... ”برہمن کے مرنے کے بعد گیارھواں دن اور کھتری کے مرنے کے بعد تیرھواں دن اور دیش یعنی بنئے وغیرہ کے مرنے کے بعد پندرھواں یا سوھواں دن اور شودر یعنی بالد ہی وغیرہ کے مرنے کے بعد تیسواں یا اکتیسوں دن مقرر ہے۔ ازاں جملہ ایک چھ ماہی کا دن ہے یعنی مرنے کے بعد چھ مہینے، ازاں جملہ برسی کا دن ہے اور ایک دن گائے کو بھی کھلاتے ہیں۔ ازاں جملہ ایک دن سدادھ کا ہے مردے کے مرجانے سے چار برس پیچھے، ازاں جملہ سوچ کے مہینے کے نصف اول میں ہر سال اپنے بزرگوں کو ثواب پہنچاتے ہیں لیکن جس تاریخ میں کوئی مرا، اس تاریخ میں ثواب پہنچانا ضرور جانتے ہیں اور کھانے کے ثواب پہنچانے کا نام سرادھ ہے، اور جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو اول اس پر پنڈت کو بلوا کر کچھ بید پڑھواتے ہیں۔ جو پنڈت اس کھانے پر بید پڑھتا ہے وہ ان کی زبان میں ابھشر من کھلاتا ہے، اور اسی طرح اور بھی دن مقرر میں۔ (بلفظ تحفۃ الہند ص ۹۱)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب (المتوفی ۱۳۲۶ھ) لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں خاص یہ رسم سیوم کی ہے۔ اور کسی ولایت میں کوئی جانتا بھی نہیں سو یہ ہندو کے تیج کو دیکھ کر وضع ہوا ہے (البراہین القاطعہ ص ۱۱۱) اور یہی کچھ کلمہ گو مسلمان کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ پنڈت کی جگہ ختمی ملانے لے لی ہے اور کھانے پر بید کی جگہ قرآن کریم پڑھا جاتا ہے۔ افسوس اور صد افسوس کہ ان تمام غیر اسلامی رسموں نے اسلامی شکل اختیار کر لی ہے اور اب اس پر تنقید کرنا گویا اسلام پر تنقید کرنا ہے اور یہ سب کچھ ہندوستان میں آ کر ہوا فوای اسفا! ع

وہ بدلا گیا آکے ہندوستان میں  
(بحوالہ لمنہاج الواضح یعنی راہ سنت ص ۲۸۷-۲۸۶)

# پیش لفظ

## طبع اول

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد ایک عرصہ سے دین سے دوری اور خود اجتہادی کی وبا پوری دنیا میں عموماً اور ہمارے ملک پاکستان میں خصوصاً پھیلی ہوئی ہے۔ جس کے نتیجہ میں متعدد فرقے پیدا ہو گئے ہیں۔ جن میں سے کوئی قرآن کا نام لیکر اور کوئی حدیث کا نام استعمال کر کے لوگوں کو گراہی کی طرف لے جا رہا ہے اور کوئی اللہ کا فرمان اور رسول ﷺ کا ارشاد چھوڑ کر سمجھی کچھ بزرگوں کو سمجھنے لگ گیا ہے۔ ایک فرقہ اگر یہ کہہ کر کہ ”یہ مسئلہ قرآن میں نہیں“، اجماع امت کے خلاف ہو جاتا ہے تو دوسرا اگر وہ اپنی طرف سے مسائل پیدا کر کے دین میں ٹھونس رہا ہے اور ان مسائل کو نہ مانے والوں پر گستاخ اور نہ جانے کیا کیا فتوے لگا رہا ہے ایسے دور میں حق و سچ کہنے اور تحریر کرنے والے بھی موجود ہے اور ہیں اللہ تعالیٰ رحم و فضل کی بارش بر سائے حضرات اکابر علماء دیوبند پر خصوصاً حاجی امداد اللہ مہا جرجی حضرت مولانا محمد قاسم نانو توی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا حسین احمد مدینی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا عبد اللہ سندھی، مولانا محمد زکریا سہارن پوری، مولانا عبد اللہ انور چہ مولانا محمد اسحاق قادری رحمۃ اللہ علیہم پر اور موجودہ حضرات میں سے خصوصاً حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی مدظلہ، مولانا قاضی زاہد الحسینی مدظلہ مولانا قاضی مظہر حسین مدظلہ، مولانا محمد سرفراز خان صدر مدنظر، مولانا صوفی عبد الحمید سواتی مدظلہ مولانا محمد اجمل خان مدظلہ مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ، اور مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ، مولانا محمد امین صدر او کاڑوی اپر جو آج بھی

ان حضرات میں سے بھی سوائے حضرت شیخ مولانا محمد سرفراز خان صدر اور حضرت صوفی صاحب کے بہ حضرات اللہ کو پیارے ہو گئے۔

دین متن کا علم بلند کیے ہوئے ہیں اور تقریر و تحریر کے ذریعہ اپنا فرض منصبی ادا کر رہے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ مردوں کو زندوں کے اعمال کا ثواب پہنچتا ہے یا نہیں تو بعضوں نے بالکل انکار کر دیا اور بعض اپنے خود ساختہ طریقوں سے ایصال ثواب کرنے لگے۔

اس مسئلہ کے متعلق بعض احباب نے مجھے کچھ لکھنے کیلئے کہا تو میں نے ارادہ کیا۔ کہ جو کام شروع کیے ہوئے ہیں ان کو مکمل گز کے اس مسئلہ پر کچھ تحریر کروں گا لیکن میری مصروفیات کچھ اس قسم کی ہیں کہ وقت نکال کر لکھنا میرے لیے مشکل تھا۔ انہی ایام میں ماہنامہ انوار مدینہ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ جو پرانے بزرگوں میں سے ہیں کی تحریر اس موضوع پر قسط و ارشاد ہونا شروع ہوئی تو میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ جس کام کو مجھے جیسا کم علم احسن طریقہ سے ادا نہیں کر سکتا تھا ایک تبحر عالم دین کے ہاتھ سے اللہ نے کروادیا۔ میں اس مضمون کو انوار مدینہ میں شائع کرنے پر مولانا سید محمود میاں صاحب کا شکر گزار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جہاں اس رسالہ کو پڑھ کر آپ مولانا نعمانی کیلئے دعا کریں گے وہاں مجھے اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے میرے دوست جناب مسعود اختر صاحب ظفر بک سنٹروا لے اور عزیزم ڈاکٹر طاہر مسعود اور ان کے اعزہ اور میرے مرتبی و شیخ حضرت مولانا محمد اسحاق قادری رحمۃ اللہ علیہ اور میری والدہ مرحومہ کیلئے بھی بلندی درجات کی ضرور دعا فرمائیں گے میری دعا ہے کہ اللہ کریم اس رسالہ کی اشاعت سے ان لوگوں کے اذہان کو صاف فرمائے جو اس سلسلہ میں شک میں بنتا ہیں اور نافع خلائق بنائے۔ (آمین)

فقط: قاری جمیل الرحمن اختر قادری نقشبندی مجددی

نظم اعلیٰ جامعہ حنفیہ قادریہ با غبان پورہ لاہور

## تحقیق مسئلہ ایصال ثواب

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی، لکھنؤ، بھارت

سلف امت کے متفقہ مسائل سے انکار، اور ائمہ سابقین کی اجتماعی تحقیقات سے بھی اختلاف کرنا زمانہ حال کے ”نئے محققین“ اور نئی روشنی کے ”مجتہدین“ کا فیشن سا ہو گیا ہے۔ اس مہلک علمی بیماری کا (جواب روز بروز عام ہوتی جا رہی ہے) سب سے بڑا اور خطرناک ضرر یہ ہے کہ اس نے دین کے عملی نظام کے بہت بڑے حصے کے متعلق ناواقفوں کے ایک وسیع طبقہ کو سخت شکوہ و شہادت میں بنتلا کر کے بہت سے مسلمہ مسائل پر بھی ایز سرنو بحث و استدلال کی ضرورت پیدا کر دی ہے۔ اسی سلسلہ کی کثری ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ۔

”انسان کے مرنے کے بعد کسی دوسرے زندہ شخص کی سعی سے اس کو کوئی نفع اور کسی نیک عمل کا ثواب بخشنے سے، بالخصوص اس کے لیے صدقہ وغیرہ کرنے سے کچھ ثواب اس کو پہنچ سکتا ہے یا نہیں؟“ -

یہ مسئلہ اگرچہ جمہور امت کے نزدیک مسلم بلکہ معمول بنا رہا ہے اور تفصیلات و جزئیات کے بعض معمولی اختلافات کے باوجود اس پر ائمہ امت کا خلفاً عن سلف اتفاق اور اجماع رہا ہے کہ زندوں کے دعا و استغفار سے اور موتی کے لیے صدقات وغیرہ کرنے سے مردوں کو نفع ہوتا اور ثواب پہنچتا ہے۔ ”حاملان دین کے تمام وہ طبقے جن کی وساطت سے علم دین کی امانت ہم تک پہنچی ہے۔ یعنی فقهاء و مجتہدین اور محدثین و مفسرین سب ہی اس کے قائل ہیں اور اپنے نزدیک قابل اتباع دلائل و برائیں کی بنیاد پر قائل ہیں (جیسا کہ مختلف مکاتب خیال کی قدیم وجديہ فقہی کتابوں اور دفاتر آثار و روایات سے معلوم ہوتا ہے)، لیکن ہمارے زمانے کے بعض حضرات کو اس سے انکار ہے اور اس انکار میں زیادہ حصہ ان لوگوں کا ہے، جن کو حدیث کے جدت دینی ہونے پر یقین و اعتماد نہیں ہے۔

اس خیال کے جن مختلف حضرات کی باتیں سننے کا راقم کو اتفاق ہوا ہے۔ ان سب ہی کی زبانوں سے استدلال میں قرآن مجید کی وہ آیتیں سننے میں آئیں جن میں اس اصول کو مختلف عنوانات سے واضح کیا گیا ہے کہ ”انسان کو اپنے ہی کیے کا بدلہ ملے گا اور جزا اوسرا کا دار و مدار اس کے اپنے ہی کردار پر ہوگا“، مثلاً

(۱) لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ (۲) كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ (۳) كُلُّ أَمْرٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ (۴) هَلْ تُجَزِّوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ (۵) لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا كَتَسَبَتْ (۶) مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَأَءَ فَعَلَيْهَا.

اس فہم کی آیات سے مغالطہ کھانے یا مغالطہ دینے کے علاوہ ان حضرات کے کچھ اور اپنے دماغوں کے بافیدہ خیالات بھی ہیں، جن کو کبھی کبھی ”درایت قرآنیہ“ کے پر شکوہ اور مرغوب گن عنوانات سے یہ حضرات پیش کرتے ہیں۔ (اس خیال کا ترجمان ایک مضمون ”الفرقان“ (۷۸۹ جلد ۱۰) میں بھی شائع ہو چکا ہے۔)

یہ مقالہ جو ان صفحات میں ہدیہ ناظرین کیا جا رہا ہے اسی مسئلہ کی توضیح و تقریر سے متعلق ہے اور غرض اس سے صرف اس چیز کو واضح کر کے پیش کر دینا ہے جس کو یہ عاجز دلائل شرعیہ کی روشنی میں حق سمجھتا ہے۔ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقُّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ۔  
یہاں یہ چیز بھی صفائی کے ساتھ عرض کر دینی ضروری ہے کہ اس باب میں میں صرف اتنی ہی چیز کا قائل اور اسی قدر کا حامی ہوں جتنا کہ اصولی طور پر دلائل شرعیہ سے ثابت ہے، باقی صدیوں سے اس بارے میں جو غلو ہو رہا ہے اور عملًا اول درجہ کی اہمیت کا جو مقام اس مسئلہ کو دے دیا گیا ہے (کہ صرف عوام ہی میں نہیں بلکہ بہت سے خواص کا عوام میں بھی فرائض و واجبات سے بھی زیادہ اس کا اہتمام کیا جاتا ہے) تو یقیناً وہ میرے نزدیک بھی قابل انکار ہے اس کے علاوہ تیجے سے لے کر ہر سال کی بر سی تک رسماں کا جو لامتناہی سلسلہ ایصال ثواب کے ماتحت ایجاد کیا گیا ہے اور جس

طرح ان رسموں کی ادا یا گئی ہوتی ہے۔ یہ سب تو بلاشبہ از قبلہ بدعاۃ و خرافات ہے، اس کا دین و مذہب سے کیا تعلق؟ بلکہ دین کے سر ان لغویات کو منڈھنا پی جہالت اور دین کے ساتھ سخت بدخواہی ہے۔ بہر حال اس مقالہ کی تحریر سے میری غرض ائمہ امت کے متفقہ صرف اس اصولی مسئلہ ہی کی تائید و حمایت ہے کہ۔

”زندوں کی کوششوں سے مردوں کو نفع پہنچ سکتا ہے اور ”ایصال ثواب“ کا نظری حق و ثابت ہے۔“

مسئلہ کے مختلف پہلوؤں کے لحاظ سے اس مقالہ کو سات بحثوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ حضرات منکرین کے خیالات و استدلالات پر بحث آخری بحث میں کی گئی ہے۔ وَمَا أُرِيدُ إِلَّا إِلْاصَالَحَ مَا أُسْتَطَعْتُ وَمَا تُوفِيقْتُ إِلَّا بِاللَّهِ.

## بحث اول

### دعا و استغفار برائے اموات

زندوں کے جن مساعی اور اعمال سے مردوں کو نفع پہنچنا و شائق دینیہ سے ثابت ہے ان میں سے ایک ”دعا و استغفار“ ہے۔ اس کا غیر مشکوک ثبوت بے شمار احادیث کے علاوہ خود قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ ایک جگہ اولاد کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنے والدین کے حق میں اس طرح دعا کرے۔

وَقُلْ رَبِّ ارْحُمْهُمَا كَمَارَبَيَانِي صَغِيرًا

”اے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحمت فرماجیسا کہ انہوں نے مجھے پہنچنے میں پالا پوسا“، اور سورہ نوح میں حضرت نوح کی یہ دعا ہم کو سنائی گئی ہے۔

رَبَ اغْفِرْلِيْ وَلِوَالدَّيْ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتَنِيْ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ.

”میرے مالک مجھے اور میرے ماں باپ کو اور جو بھی ایمان کے ساتھ میرے گھر میں ہیں ان کو اور سارے ہی مومن مردوں اور عورتوں کو بخش دے“۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بھی یہ دعا قرآن مجید ہی میں نقل فرمائی گئی ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالدَّى وَلِلَّمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُولُ الْحِسَابُ

”خداوندا! مجھے اور میرے ماں باپ کو اور سارے مومنوں کو بخش دینا جس

دن کہ حساب قائم ہو“۔

ظاہر ہے کہ ان آیتوں کے لفظ ”مومنین و مومنات“ میں زندے

مردے اگلے پچھلے سب ہی اہل ایمان داخل ہیں اور سورہ محمد میں خود رسول اللہ ﷺ کو خصوصی خطاب کر کے ارشاد ہوا ہے۔

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلَّمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمَنَاتِ

”اور اللہ سے بخشش چاہو اپنی تقصیر کی اور ایمان والوں کے لیے اور ایمان والیوں کے لیے“۔

اور سورہ حشر میں ”سابقین اولین من المهاجرين والانصار“ کے بعد میں آنے والے ان مسلمانوں کی بڑی قدر افزائی کے ساتھ مدح کی گئی ہے جو مومنین سابقین کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا میں کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ جَاؤْ أَمِنَ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلَا خُوَانِا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ  
(سورہ حشر ۱۴)

اور وہ مسلمان جو آدیں ان کے بعد کہتے ہوں کہ اے ہمارے رب بخش دے جنم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو جنم سے آگے گئے ایمان کے ساتھ“۔

اور سورہ مومن میں عرش الہی کے حامل فرشتوں اور اسی مقام قرب کے دوسرے ملائکہ کے متعلق اطلاع دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح و تحمید کے ساتھ تمام مومنین تو ایں اور ان کے آباء صالحین اور ازواج و ذریات تک کے لیے اللہ سے مغفرت و رحمت کی دعا میں اور جہنم سے بچانے اور جنت میں داخل کرنے کی انجامیں کرتے رہتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ  
وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسَعَتْ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً

وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلّٰٓدِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ رَبِّنا  
وَادْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنَ الْتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ ابْنَاءِ هِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ  
وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ.  
(مومن)

”جو فرشتے کے عرش کے حامل ہیں اور جو اس کے گرد رہتے ہیں وہ رب کی  
تبیح و حمد کرتے ہیں اور اپر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کے لیے استغفار کرتے  
رہتے ہیں کہ اے زب ہمارے تیرا علم اور تیری رحمت ہر چیز کو محیط ہے۔ پس تیرے  
جن بندوں نے تیری طرف رخ کر لیا ہے اور تیری راہ کو اختیار کیا ہے ان کو تو بخش  
دے، دوزخ کے عذاب سے ان کو بچا اور جن جَنَّاتِ عالیہ کا تو نے ان سے وعدہ کیا  
ہے ان میں ان کو داخل فرم اور ان کے آباء اجداد اور ازواج و ذریات میں سے جو  
صالح ہیں ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ فرم۔ تو عزیز ہے، حکیم ہے۔“

ان آیات سے تمام اہل ایمان کے لیے (خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ) دعا و  
استغفار کا ثبوت کسی تقریر و تشریح کا محتاج نہیں بلکہ پہلی آیت سے تو دعا و استغفار کا صرف  
ثبوت ہی نہیں ہوتا ہے، بلکہ خاص کروال دین کے حق میں اس کا منجانب اللہ مامور ہونا  
بھی معلوم ہو رہا ہے۔ دوسری اور تیسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام کے تمام  
مؤمنین کے لیے استغفار سیدنا نوح و ابراہیم علیہم السلام جیسے پیغمبروں کی سنت ہے۔

چوتھی آیت میں خود رسول اللہ ﷺ کو تمام اہل ایمان مردوں اور عورتوں  
کے لیے اللہ سے دعائے مغفرت کرنے کا حکم ہے، پانچویں آیت سے ظاہر ہے کہ  
اپنے سے آگے جانے والے اہل ایمان کے لیے دعائے مغفرت اللہ تعالیٰ کو بے حد  
پسند ہے اور ایسا کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے یہاں خاص امتیاز حاصل ہے اور چھٹی  
آیت کا مفاد یہ ہے کہ مؤمنین صالحین کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا حاملان عرش کا  
بھی مشغلہ اور تبیح و تمجید کی طرح گویا وظیفہ ہے۔

اور چونکہ یہ چیز ان آیات قرآنیہ سے صراحتاً ثابت ہے اس لیے مسئلہ

”وصول ثواب“ سے انکار کرنے والے وہ حضرات بھی جو اس مقالہ کے خصوصی مخاطب ہو سکتے ہیں۔ ”دعا و استغفار لاموات“ کے عموماً قائل ہی ملے، البتہ صرف ایک صاحب ایسے ملے جو ان آیات کی بناء پر ”دعا و استغفار“ کے تو قائل ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ان کا خیال ہے کہ اس کا فائدہ صرف دعا یا استغفار کرنے والوں ہی کو ہو گا، گویا ان کے نزدیک یہ دعا و استغفار، نماز یا تلاوت قرآن، یا ذکر اللہ کی طرح ایک مستقل عبادت ہے جس کا ثواب اس کے کرنے والے کو ہی ہو گا۔ اور جس کے لیے دعا یا مغفرت و رحمت کی التجا کی جائے، اس کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے گا، کیونکہ یہ ان کے نزدیک ”لَيْسَ لِلنَّاسَ إِلَّا مَا سَعَى“ یعنی آیات کے خلاف ہے۔

اللہ اکبر! ایک غلطی پر اصرار اور جمود آدمی سے کیسی بڑی سے بڑی غلطیاں کرنا دیتا ہے؟ ان حضرات نے ”لَيْسَ لِلنَّاسَ إِلَّا مَا سَعَى“ کے اپنی ذاتی رائے کے مطابق ایک غلط معنی معین کر رکھے ہیں۔ اب اس کے خلاف قرآن و حدیث میں جو کچھ ان کو ملتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس کی روشنی میں یہ اپنی غلط فہمی کی اصلاح کریں۔ اس کی ایسی رکیک اور غیر معقول تاویلیں کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے جو بد اہتم عقل کے بھی خلاف ہوں۔ ان کی ”روشن عقليں“، اس لغو اور غیر معقول بات کو مان لینے کے لیے تو تیار ہو گئی ہیں، بلکہ دوسروں کو بھی وہ یہی باور کرانا چاہتے ہیں کہ قرآنی آیات میں دوسرے اہل ایمان کے لیے دعا و استغفار کا جہاں جہاں ذکر آیا ہے اس سے مراد بس دعا و استغفار کا وظیفہ پڑھنا ہے اور اس کا مقصد خودا پر لیے وظیفہ خوانی کا ثواب حاصل کرنا ہی ہوتا ہے اور جن بے چاروں کے لیے ان دعاؤں میں مغفرت و رحمت بظاہر مانگی جاتی ہے ان کو اس سے کچھ بھی نفع نہیں ہوتا بلکہ نہیں ہو سکتا اور نہ وہ ملحوظ ہی ہوتا ہے، گویا جو کچھ اس دعا و استغفار کے موقع پر لفظوں میں کہا جاتا اور اللہ پاک سے مانگا جاتا ہے درحقیقت وہ مطلوب نہیں ہوتا، بلکہ مقصود صرف اس ”وظیفہ دعائیہ و استغفاریہ“ کا ثواب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اپنی غلط رائے پر بے جا

اصرار کر کے بدنتیجہ کی غالباً یہ بدترین مثال ہے کہ اپنے خیالات و مزومات سے نہ ہٹنے کے لیے آدمی اللہ پاک کی طرف ایسی غیر معقول بات منسوب کرنے کی جرأت کرنے لگے۔ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ۱۵

ایسے، ہٹ دھرموں کو یقیناً ہزار دلیلوں سے بھی مطمئن کیا نہیں جاسکتا۔ الا یہ کہ خدا انہی کو ایسی توفیق دے کہ اپنے اس رویہ پر وہ خود ہی غور کریں، لیکن جو حضرات اپنی رائے اور اپنی ہوئی کے بجائے اللہ اور رسول کی ہدایت کے اتباع ہی کو اپنا دستور بنائے ہوئے ہیں۔ یہ آیات ان کے اندر اس بات کا یقین پیدا کرنے کے لیے بالکل کافی ہیں کہ اہل ایمان کے لیے ان کے مرنے کے بعد بھی مغفرت و رحمت کی دعا میں اور التحاج میں اللہ پاک سے کرنا عند اللہ ایک محمود اور مطلوب عمل اور گزر جانے والوں کے ساتھ احسان و ہمدردی کی یہ ایک پسندیدہ شکل ہے جس سے ان ”رفتگان“ کو انشاء اللہ بہت کچھ فرع ہو سکتا ہے۔

قرآن پاک ان آیات بینہ کے علاوہ نماز جنازہ میں اموات کے لیے دعا واستغفار کرنا اور بعد دفن قبر پر، اور اس کے بعد بھی اوقات مختلفہ میں بالخصوص قبرستان پر گزرتے ہوئے اہل قبور کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا مانگنا، آنحضرت ﷺ سے تعلیماً و عملًا بتواتر قطعی ثابت ہے (جس کی روایات اگر جمع کی جائیں تو یقیناً سینکڑوں سے متجاوز ہوں گی) اور عہد رسالت سے آج تک طبقۃ بعد طبقۃ ساری امت کا اس پر عمل بھی رہا ہے۔ غور فرمایا جائے کہ کسی مسئلہ کے حق و ثابت عند اللہ ہونے کا اس سے بڑا معیار اور کیا ہو سکتا ہے۔

۱. حافظ ابن قیم ”کتاب الروح“ میں اس بات کی چند احادیث صحاح سے نقل کرنے کی بعد لکھتے ہیں:  
”وَذَعَاءُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلأَمْوَاتِ فِعْلًا وَتَعْلِيمًا وَذَعَاءُ الصَّحَابَةِ وَالتابعِينَ وَالْمُسْلِمِينَ عَصْرًا بَعْدَ عَصْرٍ أَكْثُرُ مِنْ أَنْ يُذَكَّرَ وَأَشَهُرُ مِنْ أَنْ يُنْكَرَ.“

(کتاب الروح صفحہ ۱۹۱)

”اور اموات کے لیے رسول اللہ ﷺ کا دعا فرمانا اور امت کو اس کی اعلیم دریانا اور عالی ہذا صحابہ تابعین اور بعد کے مسلمانوں کا اپنے زمانہ میں اموات کے لیے دعا و استغفار کرنا اتنی کثرت سے منقول ہے کہ بیان میں نہیں آ سکتا۔ اور اس کی شہرت اتنی عام ہے کہ کوئی منکر معاند اس کا انکار بھی نہیں کر سکتا۔“

## مبحث دوم

”زندوں کے ان اعمال خیر سے مردوں کا انتفاع جن کی فعلیت کا کسی طرح یہ مردے ذریعہ بنے ہوں“۔

دعا و استغفار کے علاوہ زندوں کے جن اعمال سے مردوں کا متنفع ہونا دلائل شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے، ان کو ابتدأ ان دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک وہ اعمال جن کا سبب کسی حیثیت سے یہ مردے بنے ہوں۔ دوسرے وہ اعمال جن کی حیثیت یہ نہ ہو۔

اس مبحث دوم میں صرف پہلی قسم کے اعمال کے متعلق چند احادیث ملاحظہ ہوں۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول

اللہ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ إِنْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةِ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ  
جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُولَهُ

(مسلم ج ۲ ص ۲۱)

آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کے اعمال کے سارے سلسلے منقطع ہو جاتے ہیں بجز ان تین سلسلوں کے ایک وہ صدقہ جاریہ جو اپنی حیات میں وہ کر گیا۔ دوسرے علم کا کوئی ایسا سلسلہ جس سے لوگوں کو فیض پہنچ رہا ہے اور تیسرا اولاد صالح جو اس کے لیے دعا خیر کرتی رہے۔ (یعنی یہ تین سلسلے یا ان میں سے ایک وہ بھی اگر مرنے کے بعد کوئی خوش نصیب چھوڑ گیا ہے تو ان سے اس کو برابر ثواب اور نفع پہنچتا رہے گا۔

مثلاً ایک شخص نے کسی کو دین سکھایا، اس کے بعد یہ سکھانے والا مر گیا۔ پھر اس کے اس شاگرد نے بہت سے لوگوں کو دین سکھایا اور علی ہذا اس کے بعد بھی یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو سینکڑوں ہزاروں برس گزر جانے کے بعد بھی یہ علمی فیض اگر جاری رہے گا تو اس معلم اول کو بھی اس کے ثواب کا حصہ ملتا رہے گا، حالانکہ بعد میں اس تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھنا ظاہر ہے کہ اس پہلے شخص کا ذاتی عمل نہ ہوگا، لیکن اس سلسلہ خیر میں چونکہ یہ ایک واسطہ بنا تھا اس لیے اس سلسلہ کا ثواب اس کو برابر

متار ہے گا۔ یہی حال صدقہ جاریہ کا بھی ہے۔

اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے ایک دوسری حدیث اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

إِنَّ مِمَّا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنَ مِنْ عَمَلِهِ وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَمَهُ  
وَنَشَرَهُ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ وَمُصْحَفًا وَرِثَةً وَمَسْجِدًا بَنَاهُ أَوْ بَيْتًا لِابْنِ  
السَّبِيلِ بَنَاهُ أَوْ نَهْرًا جَرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا عَنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاةِ  
يَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ.

(ابن ماجہ ص ۲۲)

”مومن کو اس کے جن اعمال حسنہ کا ثواب اور نفع مرنے کے بعد بھی پہنچتا ہے وہ یہ ہیں وہ علم دین جس کو وہ سکھا گیا اور پھیلا گیا، اور وہ نیک اولاد جس کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا، یا قرآن مجید کا نسخہ جو اس نے اپنی میراث میں چھوڑ یا، یا مسجد یا مسافر خانہ یا نہر (تالاب۔ کنوں) جو خلق خدا کی نفع رسانی کے لیے اپنی زندگی میں وہ بنوا گیا یا کوئی اور صدقہ جس کو اس نے اپنی حیات اور صحت کی حالت میں نکالا تھا۔ (اور خلق خدا کو بعد میں بھی اس سے نفع پہنچتا ہا) تو اس کا ثواب مرنے کے بعد اس کو پہنچتا رہے گا۔“  
اور صحیح مسلم میں جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی روایت مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَنَ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَعُمِلَ بِهَا بَعْدَهُ كُتِبَ لَهُ مِثْلُ أَجْرِ مَنْ  
عَمِلَ بِهَا يُنْقَصُ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْءٌ وَمَنْ سَنَ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعُمِلَ بِهَا  
بَعْدَهُ كُتِبَ عَلَيْهِ مِثْلُ وَزْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا وَلَا يُنْقَصُ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ .  
(كتاب العلم بباب من سن سنة حسنة او سبة مسلم ج ۲ ص ۳۳۱)

”جس نے اسلام میں نیکی کا کوئی طریقہ کھولا اور خیر کے کسی باب کا افتتاح کیا تو اس کو اپنی اس نیکی کا ثواب بھی ملے گا اور اس کے بعد جو اور لوگ اس پر عمل کریں گے ان کے عمل کا بھی اجر و ثواب اس کو ملے گا۔ بغیر اس کے کہ ان عاملین کے ثواب

میں سے کچھ کمی کی جائے اور علی ہذا اسلام میں جس نے کسی بدی کا راستہ کھوا تو اس کو اپنی اس بدی کی سزا دی جائے گی اور اس کے بعد جتنے لوگ بھی اس برائی کو اختیار کریں گے، ان سب کے گناہوں کا بوجھا اس پر ڈالا جائے گا۔ بغیر اس کے کہ ان کے اپنے بوجھوں میں کوئی کمی کی جائے۔

اہل علم کو معلوم ہو گا کہ جریر بن عبد اللہ کی اس روایت کے علاوہ بھی اس مضمون کی متعدد حدیثیں کتب صحاح میں مروی ہیں، بلکہ یہ دعویٰ بھی انشاء اللہ غلط نہ ہو گا کہ احادیث میں یہ مضمون ”حد شہرت“ کو پہنچا ہوا ہے، لیکن چونکہ منکرین وصال ثواب کی اس نوع کے عموماً قائل ہی نہیں اس لیے اس بحث کو طول دینا مناسب نہ ہو گا۔ اس باب کا اتنا ذکر بھی صرف مسئلہ کے استیعاب اور اطراف و جوانب کے احاطہ کے لیئے کر دیا گیا ہے۔

### مبحث سوم

زندوں کے جن ایسے اعمال سے مردوں کو نفع یا ثواب پہنچانا نصوص شرعیہ سے معلوم ہوا ہے جن کی فعلیت کا کسی حیثیت سے بھی وہ مردے سبب اور ذریعہ نہ بنے ہوں، ان میں سے ایک توهہ دعا و استغفار ہی ہے جس کا ذکر مبحث اول میں کیا جا چکا ہے، اور علاوہ ان آیات و احادیث کے جن کی طرف وہاں اشارات کیے جا چکے ہیں۔ اس کی ایک واضح ترین اور فعلی دلیل صحیحین کی وہ حدیث بھی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر دو قبروں پر ہوا جن کے متعلق آپ کو منکشف ہوا کہ ان کے مدفون مردوں پر عذاب ہو رہا ہے۔ آپ نے کھجور کی ایک ترشاخ منگوائی اور اس کے دوٹکڑے کر کے ہر ایک میں ایک ایک گاڑھ دیا اور جب بعض رفقاء نے آپ سے پوچھا کہ یہ آپ نے کس لیے کیا تو فرمایا:

۱۔ صحیح بخاری ہی کی ایک روایت ہے کہ آپ نے ان بتلائے عذاب مردوں کی آوازنی۔ ۱۲۔

لَعْلَهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَبِسَا . (بخاری، مسلم، عن أبي عباس)

”امید ہے کہ جب تک یہ شاخیں تر رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی“۔

اور صحیح مسلم کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان معدذین کے لیے تخفیف عذاب کی دعا فرمائی تھی جو اس طور پر قبول کی گئی کہ تم ایک ترشاخ کو ان قبروں پر نصب کر دو جب تک وہ تر رہے گی ان کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے کی۔ واللہ اعلم۔ بہر حال صحیحین کی اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ زندوں کی دعا و استغفار اور ان کے کسی عمل سے مردوں کو نفع پہنچنے کا تجربہ اس عالم میں بھی خود رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے ہو چکا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی اس حدیث کے علاوہ حضرت جابر بن عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) سے بھی صحیح مسلم میں قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے جس کے متعلق بعض خاص قرآن کی بنیاد پر حافظ ابن حجرؓ کی رائے یہ ہے کہ وہ اس کے علاوہ اسی قسم کا دوسرا ایک واقعہ ہے۔



دعا و استغفار کے علاوہ زندوں کے جن ایسے اعمال و افعال سے مردوں کو نفع مند ہونا نصوص شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے، جن کا سبب کسی طرح اور کسی حیثیت سے بھی مردے نہ ہوئے ہوں۔ وہ صدقات و خیرات اور دوسری عبادات کے ذریعہ ایصال ثواب کی صورتیں ہیں اور چونکہ زیادہ تر انکار آج کل ان ہی صورتوں کا کیا جا رہا ہے۔ اس لیے اس کو کسی قدر بسط و تفصیل سے لکھنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

## مبحث چہارم

جن طاعات و خیرات کے ذریعہ مردوں کو نفع پہنچانے اور باصطلاح معروف ایصال ثواب کرنے کا ارادہ کیا جائے ان کی تین قسمیں ہو سکتی ہیں، یا تو وہ

محض مالی ہیں (جیسے صدقہ، خیرات، قربانی وغیرہ) اور یا محض بدنی ہیں، یعنی ان میں پسیہ تو کوئی خرچ کرنا نہیں پڑتا، البتہ جسم و جان کو کچھ محنت و مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے (جیسے روزہ نماز، تلاوت قرآن پاک اور ذکر اللہ وغیرہ) اور یا ان دونوں سے مرکب ہیں جیسے کہ حج، کہ اس میں روپیہ پسیہ بھی خرچ ہوتا ہے اور اس کے ارکان کی ادائیگی میں دوڑ دھوپ کی مشقت بھی اٹھانی پڑتی ہے۔

بہت سی احادیث صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ان تینوں قسم کی عبادات کے ذریعے فوت شدہ مولین کو (بلکہ بعض صورتوں میں زندوں کو بھی) نفع اور ثواب پہنچایا جا سکتا ہے۔

## عبادات مالیہ کے ذریعہ ایصال ثواب

سب سے پہلے ہم خالص مالی عبادات کو لیتے ہیں۔

(۱) صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مردی ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَبِي مَاتَ وَتَرَكَ مَالًا وَلَمْ يُؤْصِ فَهُلْ يُكَفَّرُ عَنْهُ (وَضَبَطَ بَعْضُهُمْ فَهُلْ يَكْفِي عَنْهُ) أَنْ آتَصَدِقَ عَنْهُ؟ قَالَ نَعَمْ۔

”ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دریافت کیا کہ میرے باپ کا انتقال ہو گیا ہے اور اپنے ترکہ میں انہوں نے مال چھوڑا ہے اور کوئی وصیت نہیں کی ہے تو اگر میں ان کی جانب سے کچھ صدقہ خیرات کروں تو کیا میرا یہ صدقہ ان کے لیے کفارہ ہو جائے گا؟ یا مطلب یہ ہے کہ کافی ہو جائے گا؟ فرمایا ہاں یہ حدیث اثبات مدعای کے لیے کسی توضیح و تقریر کی محتاج نہیں۔ ایک شخص مر گیا ہے اس نے کوئی وصیت بھی نہیں کی ہے جس کے بعد قانون شرعی کے مطابق اس کا بترو کہ مال وارثوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ اب اس کا لڑکا پوچھتا ہے کہ میں اگر اپنے مرحوم باپ کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کروں تو یہ ان کے لیے کفارہ ہو سکتا ہے۔

ہمیں؟ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہاں یہ ہو سکتا ہے۔

(۲) اور مسند احمد میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میرے دادا عاص بن دائل نے سوانحوں کی قربانی کی نظر مانی تھی (جس کو وہ پورا نہ کر سکے) تو ان کی طرف سے ان کے ایک بیٹے ہشام بن عاص نے پچھپن اونٹ ذبح کیے۔ پھر (میرے والد) عمرو بن عاص نے اسلام لانے کے بعد آنحضرت ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا (غالباً سوال کامشاء یہ تھا کہ اگر بقیہ پیغما بریں اونٹ میں ان کی طرف سے قربان کروں تو کیا اس سے ان کو کچھ نفع ہو گا؟) آنحضرت ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

أَمَّا أَبُوكَ فَلُوْ أَقَرَّ بِالْتَّوْحِيدِ فَصُمِّتَ وَتَصَدَّقَتْ عَنْهُ نَفْعَةُ ذَالِكَ  
”تمہارے باپ اگر لا الہ الا اللہ کے مانے والے ہوتے (یعنی مومن) ہوتے اور پھر تم ان کی طرف سے روزے رکھتے یا صدقہ و خیرات کرتے تو اس سے ان کو نفع ہوتا،“

(۳) اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ:

أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أُفْتُلِتُ نَفْسَهَا وَلَمْ تُؤْصِ وَأَظْنَهَا لَوْ تَكَلَّمَتْ تَصَدَّقَتْ أَفْلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقَتْ عَنْهَا قَالَ نَعَمْ ۝

”ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور انہوں نے عرض کیا کہ میری والدہ اچانک انتقال کر گئیں اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی ہے اور میرا مگماں ہے کہ اگر انہیں بات کرنے کا موقع ملتا تو وہ کچھ صدقہ کر جاتیں، توبہ اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ خیرات کروں تو کیا ان کو ثواب پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں!“

۱۔ کتاب الروح لابن القیم ص ۱۹۲ بحوالہ مسند احمد۔ ۱۲

۲۔ صحیح بخاری باب ما یستحب لمن یتوفی فجاة ان یتصدقوا عنه ج: اص: ۳۸۶ صحیح مسلم  
باب وصول ثواب الصدقات الی المیت ص ۳۲۲ ج ۱ واللفظ لمسلم۔

بعض شارحین حدیث کو اگرچہ شبہ ہوا ہے کہ یہ سوال کرنے والے صحابی سعد بن عبادہ ہی تھے جن کے واقعہ کا ذکر آگے آ رہا ہے، لیکن قرآن سے علامہ بدر الدین عینی شارح بخاری کی یہ رائے زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ سعدؓ کے علاوہ اور کوئی دوسرے صحابی ہیں اور یہ دوسرا واقعہ ہے والله اعلم - اور صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت سعدؓ کا واقعہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس طرح مروی ہے:

(۲) إِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخَابَنِي سَاعِدَةَ تُؤْفَىْتُ أُمَّةً وَهُوَ غَايْبٌ عَنْهَا فَاتَّى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَارَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمَّى تُؤْفَىْتُ وَأَنَا غَايْبٌ عَنْهَا فَهَلْ يَنْفَعُهَا شَيْءٌ إِنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ حَائِطَى الْمِخْرَافَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا۔

”کہ سعد بن عبادہ کی عدم موجودگی میں ان کی والدہ کی وفات ہو گئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری عدم موجودگی میں میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے تو کیا اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو یہ ان کے لیے نافع ہو گا؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں! تو انہوں نے عرض کیا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میرا باغ ”مخراف“ میری ماں پر سے صدقہ ہے۔“

نیز صحیح بخاری ہی میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ ہی کی ایک دوسری روایت اسی سلسلہ میں یہ بھی ہے:

(۵) إِنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ إِسْتَفْتَى رَسُولَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ أُمِّي مَاتَ وَعَلَيْهَا نَذْرٌ فَقَالَ اقْضِهِ عَنْهَا،“<sup>س</sup>

۱۔ صحیح بخاری باب الاشهاد فی الوقف والصدقۃ والوصیۃ ج: اص: ۳۸۷۔

۲۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام عمرہ تھا۔<sup>۵</sup> میں ان کی وفات ایسے وقت ہوئی جبکہ رسول اللہ ﷺ غزوہ خندق کے سلسلہ میں مدینہ منورہ سے باہر تھے اور ان کے بیٹے سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ غزوہ ہی میں تھے۔ (فتح الباری، عدۃ القاری) ۱۲۔

۳۔ صحیح بخاری باب ما یستحب لمن توفی فجاءة ان یتصدقوا عنه وقضاء النذور عن المیت۔ ج: اص: ۳۸۷۔

”کہ سعد بن عبادہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میری والدہ فوت ہو گئی اور ان کے ذمہ ایک نذر تھی (جس کو وہ ادا نہیں کر سکیں تو کیا میں ان کی طرف سے اس کو ادا کر سکتا ہوں) حضور ﷺ نے فرمایا ہاں! تم ان کی طرف سے اس نذر کو ادا کر دو“ ا واضح رہے کہ ان دونوں روایتوں میں کوئی تناقض اور تعارض نہیں ہے، واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ تو صدقہ کے متعلق سوال کیا تھا جس کا ذکر پہلی روایت میں ہے اور دوسری دفعہ نذر کے بارے میں دریافت کیا تھا جس کا ذکر دوسری روایت میں کیا گیا ہے۔

(۶) ایک تیسری روایت اس بارے میں اور بھی وارد ہوئی جس میں مذکور ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا ہے تو ان کی طرف سے کون سا صدقہ زیادہ بہتر اور افضل ہو گا؟ آپ نے فرمایا ”الماء“ (یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے لیے پانی کا انتظام کرنا، چنانچہ حضرت سعد نے ایک کنوں تیار کر کے اپنی والدہ کی طرف سے اس کو وقف عام کر دیا۔<sup>۱۲</sup>

یہ روایت سنن نسائی وابی داؤد میں خود حضرت سعدؓ ہی سے مروی ہے، لیکن اس کی اسناد میں ایک انقطاع ہے،<sup>۱۳</sup> تاہم صحیح بخاری کی مذکورہ بالاروایات سے متعارض یہ

سنن نسائی کی ایک روایت سے اس نذر کے متعلق یہ تفصیل بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ یہ نذر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا۔ (فتح الباری)

اس حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس کے راوی حسن بصریؓ نے یہ حدیث سناتے وقت اپنے شاگردوں سے کہا کہ فَتُلَكَ سِقَايَةً آلَ سَعْدٍ بِالْمَدِينَةِ (مدینہ میں ”سقاۃ آں سعد“ کے نام سے پانی کی جو سبیل ہے یہ دراصل وہی ہے) اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد نے اپنی والدہ کی جانب سے جو کنوں وقف کیا تھا بعد میں وہی ”سقاۃ آں سعد“ کے نام سے بھی مشہور تھا۔ حضرت حسن بصریؓ کی اس شہادت کے بعد ظاہر ہے کہ اس حدیث کا استنادی درجہ کچھ اور بڑھ رہا ہے۔<sup>۱۴</sup>

سنن نسائی وابی داؤد میں سعد بن عبادہ سے اس حدیث کو روایت کرنے والے سعید بن المسیب اور حسن بصریؓ میں حالانکہ حضرت سعد بن عبادہؓ کی وفات کے وقت بھی یہ دونوں صاحبان سن شعور کو نہیں پہنچتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ درمیان کے ایک راوی کا نام ذکر سے رہ گیا ہے۔ اسی کو اصطلاح ”دین میں انقطاع کہتے ہیں۔<sup>۱۵</sup>

بھی نہیں ہے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سعد نے اپنے باغِ مخraf کے علاوہ اپنی والدہ کی طرف سے کنوں بھی وقف کیا ہو، جس طرح آج بھی لوگ اپنے ماں باپ کی طرف سے انواع و اقسام کے صدقات و خیرات کے ذریعے ایصالِ ثواب کرتے رہتے ہیں۔

ایصالِ ثواب کے بعض منکرین، ان روایات کے اس اختلاف کو اصطلاحی ”اضطراب“ قرار دے کر حدیث کو ناقابلِ احتجاج قرار دینے کی کوشش کرتے بھی دیکھئے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے ”اضطراب فی المتن“ کی حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش نہیں فرمائی ہے۔ یہاں اضطراب کا دعویٰ اس وقت چل سکتا ہے جبکہ یہ سارے سوال و جواب جو مندرجہ بالاتینوں حدیثوں میں مذکور ہیں۔ ایک ہی مجلس کے ایک ہی سوال و جواب کے متعلق راویوں کے مختلف بیانات ہوں، لیکن جبکہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے تو پھر اس کو ”اضطراب“ قرار دینا اصول فن سے ناواقفی کی ہی دلیل ہے۔ اس میں کوئی استحالہ بلکہ استبعاد بھی نہیں ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ نے مختلف دفعات میں یہ سوالات کیے ہوں اور جوابات پا کر ان کی تعمیل کرتے رہے ہوں۔ غرض یہ تینوں روایتیں جیسا کہ ان کے مضمون سے ظاہر ہے الگ الگ مستقل حدیثیں ہیں۔ وَمَنِ ادْعَى خِلَافَةَ فَعَلَيْهِ الْبَيَانُ۔

### قربانی کے ذریعے ایصالِ ثواب

عبدات مالیہ کے ذریعہ ایصالِ ثواب کا ایک واضح ثبوت وہ متعدد احادیث بھی ہیں جن سے آنحضرت ﷺ کا اپنی آل اور اپنی امت کی طرف سے قربانی کرنا ثابت ہوتا ہے، ان میں سے چند یہ ہیں:

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک بار عید الاضحی کے موقع پر ایک اچھے موٹے تازے سینگوں والے مینڈھے کی قربانی کی اور اس کو وزن کرتے وقت آپ نے کہا:

بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ تَقَبّلْ مِنْ مُّحَمَّدٍ وَآلِ مُّحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُّحَمَّدٍ  
(صحیح مسلم کتاب الصحایاج ص: ۲۶۱)

”اے اللہ! اس کو قبول فرم۔ میری طرف سے اور میری آں اور میری  
امت کی طرف سے۔“

اس بارے میں ایک دوسری حدیث حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے بھی مروی  
ہے، ان کا بیان ہے کہ ایک عید قربان کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے دو مینڈھوں  
کی قربانی کی اور آیتِ انسی وَجْهُتُ وَجْهٖ وَجْهٖ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ  
ان تلاوت فرمانے کے بعد آپ نے اللہُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَأُمَّتِهِ  
بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرَ کہتے ہوئے ذبح کیا۔ (ابوداؤد، باب ما يتحب من لفحایا)  
سنن ابی داؤد کے علاوہ مسند احمد، سنن ابن ماجہ اور دارمی میں بھی یہ روایت  
اسی طرح ہے۔ (مشکوٰۃ اور سنن ابن ماجہ اور مصنف عبدالرازاق میں حضرت عائشہؓ اور  
حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے)

إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُضَحِّيَ اِشْتَرَى كَبْشِينِ  
عَظِيمَيْنِ سَمِينَيْنِ أَقْرَنَيْنِ أَمْلَحَيْنِ مَوْجُونَيْنِ فَذَبَحَ أَحَدَهُمَا عَنْ مُحَمَّدٍ  
وَأَلِّ مُحَمَّدٍ وَلَا خَرَعْنَ أُمَّتِهِ مَنْ شَهِدَ اللَّهَ بِالْتَّوْحِيدِ وَلَهُ بِالْبَلَاغِ

(فتح الباری پ ۲۲۳ ص ۳۲۶: طبع ہند)

”رسول اللہ ﷺ کو جب قربانی کرنی ہوتی تو آپ بڑے موٹے تازے  
سینگوں والے سیاہی مائل سفید رنگ کے دو خصی مینڈھے منگواتے، ایک کی اپنے اور  
اپنے اہل بیت کی جانب سے قربانی کرتے اور دوسرے کی اپنے ان امتیوں کی طرف  
سے جو اللہ کی وحدانیت اور آپ کی تبلیغ رسالت کی شہادت دیں۔“

اس مضمون کی روایت حضرت جابرؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کے  
علاوہ اور بھی چند صحابہ مثلاً حضرت ابو رافعؓ حضرت حذیفہؓ بن سید غفاری، حضرت  
ابو طلحہؓ انصاری اور حضرت انسؓ بن مالک رضی اللہ عنہ سے، مسند احمد، مسند ابو یعلیؓ،  
مصنف ابن ابی شیبہ اور مستدرک حاکم وغیرہ میں مروی ہیں۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوئے المدحیم شرح صحیح مسلم جلد ۳ ص: ۳۸)

یہ سب روایات اگرچہ بجائے خود بے اصطلاح محمد شین "خبر آحاد" ہی ہیں، لیکن ان سب کے مجموعہ سے اس شخص کو جو علم حدیث سے پچھلی بھی مناسبت رکھتا ہو۔ اس بات کا اضطراری یقین حاصل ہو جانا ضروری ہے کہ آنحضرت ﷺ نے امت کی جانب سے قربانی فرمائی ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ آپ نے اس قربانی کا ثواب امت کو بخشتا ہے۔

اس کے متعلق بعض منکرین کا یہ دعویٰ کرنا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی "خصوصیت" تھی محض بے دلیل دعویٰ ہے۔ کسی چیز کو رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت قرار دینے کے لیے مستقل دلیل کی ضرورت ہے اور یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی میں مردی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی المرتضیؑ کی خصوصیت کی تھی کہ وہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کریں، چنانچہ حضرت علیؑ کا معمول تھا کہ وہ عید قربان پر ایک مینڈھ کی قربانی آنحضرت ﷺ کی طرف سے کیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے علاوہ دوسرا مسلمان بھی دوسروں کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں۔ ورنہ اگر قربانی کے ذریعہ دوسروں کو ثواب پہنچانا حضور ﷺ کی خصوصیت ہوتی تو آپ حضرت علیؑ کو اس کی وصیت نہ فرماتے۔

بعض منکرین اس روایت کے بارے میں کہا کرتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیؑ کی قربانی حضور ﷺ کی طرف سے اس لیے صحیح تھی کہ وہ حضور ﷺ کی وصیت سے تھی، تو وہ گویا حضرت علیؑ کا نہیں بلکہ آپ ہی کا فعل اتنا، لیکن یہ صریح مغالطہ ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؑ کے پاس اس کام کے ل۔ یہاں ایک دلچسپ قابل ذکر لطیفہ یہ ہے کہ بعض منکرین کے سامنے جب یہ حدیث پیش کی گئی تو انہوں نے یہی کہا کہ حضرت علیؑ کو چونکہ حضور ﷺ کی وصیت تھی اس لیے وہ گویا حضور ہی کا عمل ہوا اور اس لیے اس کا ثواب آنحضرت کو مانا صحیح ہے، لیکن یہ کہنے کے باوجود وہ اس کے قائل نہیں ہوئے کہ اس طرح اگر آج کوئی مرنے والا اپنے کسی عزیز کو ایصال ثواب کی وصیت کر جائے اور وہ صدقہ وغیرہ سے ایصال ثواب کرے تو یہ ثواب اس مردے کو پہنچے گا۔ ۱۲

لیے کوئی رقم تو جمع کی ہی نہیں تھی۔ پس آنحضرت ﷺ کا فعل صرف وصیت ہے اور قربانی حضرت علیہ کا عمل ہے اور بحث اس قربانی ہی کے اجر و ثواب میں ہے۔ پس یہ قربانی جو حضرت علیہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اپنے مال سے کرتے تھے جب ہی صحیح ہو سکتی ہے جبکہ اصولاً اس کو تسلیم کر لیا جائے کہ ایک کے صدقہ اور ایک کی قربانی کا ثواب اور نفع دوسرے کو پہنچ سکتا ہے۔

ورنہ اگر یہ اصول نہ مانا جائے، جیسا کہ ہمارے مخالفین کا خیال ہے، تو پھر حضرت علیہ کی قربانی ہی غلط ہو گی، بلکہ معاذ اللہ حضور ﷺ کی وصیت بھی غلط ہو گی۔ بہر حال یہ یہاں نکتہ قابل غور ہے کہ وصیت نے یہاں ایصال ثواب کو صحیح نہیں کیا ہے، بلکہ یہ وصیت ہی ”ایصال ثواب“ کی بنیاد پر صحیح ہو سکتی ہے۔ (تاملوا فان الفرق دقيق) بہر حال مذکورہ بالا احادیث کے علاوہ حضرت علی مرتضیؑ کو رسول اللہ ﷺ کی قربانی کی یہ وصیت اور حضرت علیہ کا دامی عمل اس امر کا ثبوت ہے کہ ہم دوسروں کی طرف سے مالی عبادات کر سکتے ہیں۔ یعنی اپنے صدقات و قربانی وغیرہ دوسروں کو بخش سکتے ہیں۔ بالخصوص رسول اللہ ﷺ کے لیے بھی کر سکتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ یہم نے آنحضرت ﷺ کی طرف سے بہت سے اعمال خیر کیے۔ مثلاً حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ کی طرف سے متعدد عمرے کیے۔ (فتح الہبم ج ۲ ص ۳۹)

نیز آنحضرت ﷺ کے سواد دوسروں کی جانب سے بھی اس قسم کے اعمال خیر کرنے کا ثبوت صحابہ کرام سے ملتا ہے، علامہ بدر الدین عینی عمدة القاری شرح بخاری میں ناقل ہیں۔

قَالَ أَبْنُ الْمُنْذِرِ وَقَدْ ثَبَّتَ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا اغْتَقَتْ عَبْدًا عَنْ أَخِيهَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ وَكَانَ مَاتَ وَلَمْ يُؤْصِ . (عمدة ج ۱۲ ص ۵۵)

”امام حدیث ابن المندز رکا بیان ہے کہ حضرت عائشہؓ سے یہ چیز پایہ ثبوت

کو پہنچ چکی ہے کہ انہوں نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی وفات کے بعد ان کی طرف سے بغیر ان کی کسی وصیت کے ایک غلام آزاد کیا۔

نیز اسی عمدہ (شرح بخاری) میں علامہ عینی ایک دوسری جگہ محدث ابن مأکولا کی تخریج سے حضرت انسؓ کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں:

اَنَّهُ قَالَ سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنَّا نَدْعُو لِمَوْتَكَ وَيَقْرَبُونَ بِهِ كَمَا يَفْرَحُ أَحَدُكُمْ بِالْهُدَى  
تَأَنَّا وَنَتَصَدِّقُ عَنْهُمْ وَنَحْجُ فَهَلْ يَصِلُ ذَالِكَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ إِنَّهُ يَصِلُ إِلَيْهِمْ  
وَيَقْرَبُونَ بِهِ كَمَا يَفْرَحُ أَحَدُكُمْ بِالْهُدَى

(عینی ج ۸۲ ص ۲۲۲)

”کہ میں نے (انسؓ نے) رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ہم اپنے مردوں کے لیے جو دعا میں کرتے ہیں اور جو صدقہ خیرات یا حج اُن کی جانب سے کرتے ہیں تو کیا یہ ان کو پہنچ جاتا ہے؟ حضرت نے فرمایا ہاں پہنچتا ہے اور جس طرح تم لوگوں کو کوئی ہدیہ یا پاکرخوشی ہوتی ہے۔ اسی طرح تمہارے ان تھنوں سے تمہارے ان مردوں کو خوشی حاصل ہوتی ہے۔“

ان تمام احادیث سے جو یہاں تک درج کی گئیں کتنے واضح طور پر ثابت ہے کہ مالی عبادات، صدقات و خیرات اور قربانی وغیرہ اگر مردوں کی طرف سے ہی کی جائیں تو یہ شرعاً درست ہے، ان سے مردوں کو نفع اور ثواب ہونا بحق ہے، رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو یہ بتایا اور آپ کی تعلیم کے مطابق صحابہ نے اس پر عمل کیا۔ عہد نبوی میں بھی اور اس کے بعد بھی۔



صدقات و خیرات وغیرہ مالی عبادات کا ثواب مردوں کو بخششے اور اس سے ان کو نفع پہنچنے کا یہ ثبوت چونکہ نہایت واضح اور غیر مشکوک ہے، اسی لیے جن انہم سلف کو بدلتی عبادات، نماز، روزہ، تلاوت قرآن مجید وغیرہ سے ایصال ثواب میں کلام بھی ہے، وہ بھی مالی عبادات میں قائل ہیں۔ بہر حال کم از کم مالی عبادات کی حد تک یہ مسئلہ

ہمیشہ سے جمہور امت میں متفق علیہ رہا ہے۔ امام مسلم نے اپنی "صحیح" کے مقدمہ میں امت کے جلیل القدر امام، عبد اللہ بن المبارک سے نقل کیا ہے کہ ابو الحسن طالقانی نے جب ان سے مشہور حدیث اَنَّ مِنَ الْبُرَّ أَنْ تُصَلِّيَ لَا بَوَيْكَ مَعَ صَلَوةِكَ وَتَضُومَ لَهُمَا مَعَ صَوْمِكَ کے متعلق سوال کیا تو اس کی اسناد میں انقطاع ہونے کی وجہ سے اس حدیث کو تو انہوں نے مجرور قرار دیا، مگر ساتھ ہی فرمایا ولیکن لیس فی الصدقة اختلاف (یعنی صدقہ کے ذریعہ ایصال ثواب کرنا متفق علیہ ہے جس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے۔) اہل علم جانتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مبارک کی طرف سے اجماع کی شہادت کتنا وزن رکھتی ہے امام نووی حضرت عبد اللہ بن مبارک کے اس قول کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مَعْنَاهُ أَنَّ هَذَا الْحَدِيثُ لَا يُحْتَجُ بِهِ وَلِكُنْ مَنْ أَرَادَ بِرْوَالِدِيهِ فَلْيَتَصَدَّقْ عَنْهُمَا فَإِنَّ الصَّدَقَةَ تَصِلُ إِلَى الْمَيِّتِ وَيَنْتَفَعُ بِهَا بِلَا خَلَافٍ (نووی شرح مقدمہ مسلم ص: ۱۲) بین المُسْلِمِینَ.

"اس کا مطلب یہ ہے کہ جس حدیث کے متعلق ابو اسحاق نے سوال کیا وہ تو قابل احتجاج نہیں ہے، لیکن جو کوئی اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرنا چاہے تو اس کو چاہیے کہ وہ ان کی طرف سے صدقہ خیرات کرے، کیونکہ صدقہ کا ثواب اور نفع موتی کو پہنچنے میں اہل اسلام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے۔"

۱۔ اس حدیث کو ابو اسحاق نے شہاب بن خراش سے انہوں نے حجاج بن دینار سے روایت کیا ہے، آگے حجاج بن دینار اس کو براہ راست رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، حالانکہ وہ اتباع تابعین میں سے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کم از کم دو واسطے ضرور ہوں گے جس یہی وہ علمت ہے جس کا نام محدثین کی اصطلاح میں انقطاع ہے اور عبد اللہ بن مبارک نے اسی وجہ سے اس حدیث کو ناقابل احتجاج قرار دیا ہے۔ ۱۲ منہ۔

## مبحث پنجم

### نماز روزہ وغیرہ بدّی عبادات کے ذریعہ ایصال ثواب

بدّی عبادات کے بارے میں خود انہرہ اہل سنت میں مشہور اختلاف ہے۔ امام مالک<sup>ؓ</sup> اور امام شافعی<sup>ؓ</sup> (بنابر قول مشہور) اس سے انکار ہے کہ نماز روزہ وغیرہ بدّی عبادات کا ثواب کسی دوسرے کو پہنچ سکے، لیکن امام ابوحنیفہ<sup>ؓ</sup> اور ان کے اصحاب اور امام احمد<sup>ؓ</sup> کا مسلک یہی ہے کہ صدقہ و خیرات اور حج و قربانی کی طرح نماز روزہ اور تلاوة قرآن مجید وغیرہ جملہ بدّی عبادات کا ثواب بھی مردوں کو پہنچ سکتا ہے اور امام ابن قیم نے "كتاب الروح" میں اس مسلک کو جمہور سلف کی طرف منسوب کیا ہے۔ (ص: ۱۸۸)

اگرچہ اس بارے میں مالی عبادات کی طرح دلائل بالکل یک طرفہ اور فیصلہ کن نہیں ہیں (اور اسی وجہ سے اس میں انہم سلف کی دورائیں ہو گئی ہیں) تاہم جو حضرات اس کے قائل ہوئے ہیں وہ دلائل ہی سے قائل ہوئے ہیں اور یہ دلائل اتنے قوی ہیں کہ امام نیہجی<sup>ؓ</sup> جو امام شافعی<sup>ؓ</sup> کے غالباً سب سے بڑے وکیل اور حامی ہیں۔ انہوں نے بھی اس بارے میں ان دلائل کی ہی بناء پر امام شافعی<sup>ؓ</sup> کی تحقیق سے اختلاف کرتے ہوئے یہی رائے ظاہر کی ہے کہ اموات کی طرف سے مالی عبادات کی طرح ہی بدّی عبادات کا بھی کرنا اور اموات کو ان سے بھی نفع اور ثواب پہنچنا احادیث صحیح سے ثابت ہے اور اس لیے یہی حق ہے۔ حافظ ابن حجر<sup>ؓ</sup> فتح الباری میں امام نیہجی<sup>ؓ</sup> سے ناقل ہیں۔

"قال البیهقی فی الخلافیات هذه المسئلة ثابتة لا اعلم خلافاً

بین اهل الحديث فی صحتها فوجب العمل بها. ثم ساق بسنده الى الشافعی قال كل ما قلت وصح عن النبي ﷺ خلافه فخذوا بالحديث ولا تقلدوني"

(فتح الباری جزء، ص: ۲۸۵)

"یہ مسئلہ یعنی اموات مسلمین کی طرف سے نماز روزہ کرنا صراحتہ حدیث

سے ثابت ہے اور اس کے ثبوت کی صحت کے بارے میں مجھے معلوم نہیں، محمد شین میں کوئی اختلاف ہو لہذا اسی کے مطابق عمل واجب ہے (اور کیوں نہ ہم اس کو اختیار کریں جبکہ) خود امام شافعی کا ارشاد ہے کہ میں جو کچھ کہوں اگر رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث اس کے خلاف ثابت ہو جائے تو اس حدیث پر عمل کیا جائے اور ہرگز ہرگز پھر میرے فتویٰ کی تقلید نہ کی جائے۔

امام شافعی نے بعض ان احادیث پر مفصل کلام بھی کیا تھا جن سے اموات کی طرف سے روزے رکھنے کا ثبوت ہوتا ہے۔ امام بیہقی نے اپنی مشہور کتاب ”معرفۃ السنن والآثار“ میں (جس کا موضوع ہی گویا حفیت کے مقابلہ میں شافعیت کی حمایت ہے) اپنے امام کے اس کلام کا مفصل اور مدلل جواب دیا ہے۔ امام شافعی کے اس کلام اور امام بیہقی کے جواب کو حافظ ابن القیم نے کتاب الروح (ص: ۲۲۲) میں بھی نقل کیا ہے۔ بہر حال اگرچہ واقعہ ہے کہ ”بدنی عبادات“ کے ذریعہ ایصال ثوب کے بارہ میں مالی عبادات کی طرح نہ تو ائمہ کا اتفاق ہے اور نہ دلائل ہی ویسے یک طرفہ اور فیصلہ کن ہیں، لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اس کے بارے میں نصوص بالکل نہ ہوں اور صرف مالی عبادات پر قیاس کر لیا گیا ہو۔ جیسا کہ بہت سوں کا خیال ہے، بلکہ اس بارے میں مستقل احادیث موجود ہیں اور وہ ایسی صریح اور قوی ہیں کہ ان کی بنیاد پر امام شافعی کے بیہقی جیسے زبردست حامی اور وکیل نے بھی اس مسئلہ میں ان کا ساتھ چھوڑ دینا ضروری سمجھا اور متاخرین شافعیہ کا تو عام رجحان ہی اس طرف ہے جیسا کہ ان کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ احادیث صحیحین میں بھی ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ سے مردی ہے۔

مَنْ مَاتَ وَعَلَيْهِ صِيَامٌ صَامَ عَنْهُ وَلِيُّهُ.

(صحیح بخاری کتاب الصوم، ج: اص: ۲۶۲ و صحیح مسلم باب قضاء الصوم عن الميت، ج: اص: ۳۶۲)

”جو شخص ایسی حالت میں مرجاوے کے اس کے ذمے کچھ روزے ہوں تو

اس کی طرف سے اس کا ولی روز بے رکھتا ہے۔

اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کے اسی باب میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے:

جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أُمِّيَ مَاتَتْ وَعَلَيْهَا صَوْمُ نَذْرٍ أَفَأَصُومُ عَنْهَا قَالَ أَرَأَيْتِ لَوْ كَانَ عَلَى أُمِّكِ دِينٌ فَقَضَيْتَهُ أَكَانَ يُؤْذِنُ ذَلِكَ عَنْهَا قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَدِينُ اللَّهِ أَحَقُّ أَنْ يُقْضَى قَالَ فَصُومِي عَنْ أُمِّكِ . (رواہ البخاری، ج: ۱، ص: ۲۶۲، والمسلم ج: ۱، ص: ۳۶۲، واللفظ له)

”ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا، میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے اور ان کے ذمہ نذر کے کچھ روزے تھے، تو کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا بتلا وہ، اگر تمہاری ماں پر کچھ قرضہ ہوتا اور تم اس کو ادا کر دیتیں تو کیا ان کی طرف سے وہ قرضہ تو ادا ہو جاتا۔ سائلہ نے عرض کیا ہاں، آپ نے فرمایا تو (اسی طرح) اپنی ماں کی طرف سے روزے روزے بھی رکھ سکتی ہو۔“ اور صحیح مسلم کے مذکورہ مالا باب ہی میں حضرت بریدہؓ سے مروی ہے۔

بَيْنَا آنَا جَالِسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا تَهَمَّهَ اِمْرَأَةٌ فَقَالَتْ اِنِّي تَصَدَّقْتُ عَلَى اُمِّي بِجَارِيَةٍ وَانَّهَا مَاتَتْ قَالَ فَقَالَ وَجَبَ اَجْرُكَ وَرَدَّهَا عَلَيْكَ الْمِيرَاثَ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنَّهَا كَانَ عَلَيْهَا صَوْمُ شَهْرٍ أَفَأَصُومُ عَنْهَا قَالَ صُومِي عَنْهَا قَالَتْ إِنَّهَا لَمْ تَحْجَّ قَطُّ أَفَأَحْجُّ عَنْهَا قَالَ حُجَّى عَنْهَا . (صحیح مسلم باب قضاء الصوم عن الميت، ج: ۱، ص: ۳۶۲)

”میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک عورت حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنی ایک کنیز اپنی والدہ پر صدقہ کر دی تھی (یعنی بہ نیت ثواب ہبہ کر دی تھی) اور اب میری والدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تمہیں ہبہ کا ثواب مل گیا اور قانون و راثت کے ذریعہ اب وہ باندی پھر تمہاری ملکیت میں آگئی۔ پھر اس عورت نے ذکر کیا کہ میری ماں کے ذمہ ایک مہینہ کے

روزے بھی تھے تو کیا میں ان کی طرف سے روزے رکھ سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا  
ہاں، ان کی طرف سے روزے رکھ دو۔

پھر اس عورت نے عرض کیا کہ میری والدہ نے کبھی حج نہیں کیا تو کیا میں ان  
کی طرف سے حج بھی کر سکتی ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں! حج بھی ان کی طرف سے کر دو۔  
روزے کے بارہ میں یہ تینوں روایتیں بالکل صاف اور صریح ہیں، البتہ  
ان کے بارہ میں چند چیزیں تو پڑھ طلب ہیں۔

اول یہ کہ درمیان کی حدیث جو حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے اس  
کی مختلف روایات میں چند اختلافات ہیں جن کی بنیاد پر قاضی عیاض وغیرہ نے اس کو  
”مضطرب“ قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن حجرؓ نے فتح الباری میں باوجود اپنی سخت  
شافعیت کے ان اختلافات کو حل کر کے اضطراب کو اٹھایا ہے اور حدیث سے استدلال  
کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری، ص: ۲۵۵ جزء)

لیکن اگر حافظ ابن حجرؓ کا حل کسی کو مطمئن نہ کر سکے تو یہ تو ظاہر ہی ہے کہ  
روایتوں کا وہ اختلاف صرف حضرت ابن عباسؓ والی حدیث میں ہے، باقی حضرت  
عائشہؓ اور بریدہؓ کی دونوں حدیثیں صاف ہیں۔ وَ كَفَى بِهِمَا حُجَّةً۔

دوسری بات قابل ذکر یہاں یہ ہے کہ ان احادیث کے مقابلہ میں حضرت  
عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے بعض اقوال پیش کیے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا  
ہے کہ ان حضرات کے نزدیک موتی کی طرف سے روزے تو نہیں رکھے جاسکتے اور نہ  
نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں ہاں صدقہ دیا جاسکتا ہے (جیسا کہ امام شافعیؓ اور امام مالک  
کی رائے ہے) اس آثار کو عبد الرزاق، نسائی اور زیہقی نے روایت کیا ہے۔

(فتح الباری، ص: ۲۸۵ جزء)

اس کے متعلق ایک گزارش تو یہ ہے کہ امام زیہقیؓ نے ”كتاب المرفة“ میں حضرت  
عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و ابن عباسؓ کے ان فتوؤں کے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:

وَفِي مَارْوِيٍّ عَنْهُمَا فِي النَّهْيِ عَنِ الصَّوْمِ عَنِ الْمَيْتِ نَظَرٌ  
”صوم عن الميت“ سے نہی کے بارے میں حضرت عائشہ وابن عباس رضی  
اللہ عنہما کے فتوؤں کی روایات محل نظر ہیں۔

اور حافظ ابن حجر فتح الباری میں فرماتے ہیں۔

ان الآثار المذكورة عن عائشة وَعَنْ أَبْنَى عَبَّاسٍ فِيهَا مَقَالٌ  
وليس فيها ما يمنع الصيام إِلَّا الْأَثْرُ الْذِي عَنْ عَائِشَةَ وَهُوَ ضَعِيفٌ جَدًا  
”حضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہما کے ان آثار میں کلام ہے، نیز ان  
میں میت کی جانب سے روزوں کی صریح ممانعت بھی نہیں نکلتی، ہاں حضرت عائشہ والے  
اثر میں بے شک صریح ممانعت ہے، لیکن وہ اسنادی حیثیت سے بالکل ہی ضعیف ہے۔“  
خیر یہ جواب تو اسناد و علل کے مباحث سے متعلق ہے۔ دوسرا آسان اور  
صاف جواب (بنا بر تسلیم یہ ہے کہ صحیحین کی جو مرفوع چدیشیں اور پیش کی گئیں، جن  
سے موتی کے لیے روزے رکھنا صراحتہ ثابت ہے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما  
وابن عباس کے وہ اقوال جن میں اموات کی جانب سے روزے نماز کی نفی کی گئی ہے۔  
ہمارے نزدیک ان میں توفیق و تطین اس طرح ممکن ہے کہ اثبات کی احادیث کو  
”ایصال ثواب“ پر محمول کیا جائے اور نفی والے آثار کو ”نیابت“ پر۔ گویا ہماری پیش  
کردہ صحیحین کی احادیث کا منشاء یہ ہو کہ روزے نماز کے ذریعے اموات کو ثواب پہنچایا  
جاسکتا ہے اور حضرت عائشہ وابن عباس کے فتوؤں کا مطلب یہ لیا جائے کہ نماز روزے  
میں زندے، مردوں کی نیابت نہیں کر سکتے۔ یعنی ایسا نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں کے  
ذمے روزے یا نمازیں فرض ہوں اور وہ ادا کیے بغیر مر جائیں تو ان کے زندے  
پسماندگان ان کی طرف سے وہ فرض روزے رکھ دیں اور نمازیں پڑھ دیں تو ان مرنے  
والوں کا فرض اتر جائے، جیسا کہ نیابت کا مقتضی ہے۔ اس توجیہ سے تعارض و تناقض  
سرے سے اٹھ جاتا ہے اور ”ایصال ثواب“ و نیابت کا یہ فرق ہے بھی بالکل واقعی۔ فقر

”فی میں تو یہ چیز صراحت کے ساتھ اسی طرح مذکور ہے۔ صاحب ”در مختار“ کے قول ”وان صام او صلی عنہ لا“ کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین نے لکھا ہے: معناہ لا یجوز قضاء عما على المیت والافلوجعل له ثواب الصوم والصلوة یجوز.

”کہ یہ اس کا مطلب ہے کہ میت کے ذمے جو نمازیں یا روزے فرض تھے ان کی ادائیگی کے خیال سے زندوں کا اس کی جانب سے روزے رکھنا یا نمازیں پڑھنا صحیح نہیں ہے لیکن اگر روزے رکھ کے یا نمازیں پڑھ کے اس کو ثواب پہنچادے تو یہ جائز ہے۔“  
بہر حال مذکورہ بالا احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے، لیکن اگر تطبیق کسی کے دل کونہ لگے، تو پھر ترجیح ہی کا راستہ اختیار کرنا ہو گا، اور ظاہر ہے کہ دو ٹین صحابیوں کے ان اقوال کے مقابلہ میں جن کے ثبوت میں بھی محدثین کو کلام ہے۔  
 صحیحین کی مندرجہ بالا مرふ عحدیوں پر ہی اعتماد کیا جائے گا۔

ناظرین کو یہاں اسی چیز سے ذہول نہ ہو کہ حضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہما کے جن آثار کے متعلق یہ بحث ہے ان میں اگرچہ موتی کی طرف سے نماز پڑھنے اور روزے رکھنے کی نفی کی گئی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ان کی طرف سے صدقہ کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے، تو اصل بحث (یعنی مسئلہ ایصال ثواب) میں یہ آثار بھی ہمارے خلاف نہیں، بلکہ موافق ہی ہیں۔ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس مقالہ میں ہمارے اصل مخاطب وہی حضرات ہیں جن کو مطلق ایصال ثواب سے انکار ہے عبادات بد نیہ کے متعلق تو ہم خود یہ عرض کر چکے ہیں کہ ان کے ذریعہ ایصال ثواب خود ائمہ سلف میں مختلف فیہ ہے۔

### اموات کے لیے نماز اور اس کے ذریعہ ایصال ثواب

اموات مسلمین کے لیے نماز پڑھنے اور اس کے ذریعہ ان کو نفع اور ثواب حاصلانے کے بارے میں بھی متعدد صحابہ کرامؐ کے آثار کتب احادیث میں مروی ہیں۔ مثلاً امام بخاری صحیح بخاری ہی میں حضرت عبد اللہ ابن عمر و حضرت ابن عباس

رضی اللہ عنہم سے راوی ہیں۔

وَأَمَرَ ابْنَ عُمَرَ أَمْرًاً جَعَلَتْ أُمُّهَا عَلَى نَفْسِهَا صَلُوةً بِقِبَاءٍ  
فَقَالَ صَلِّي عَنْهَا، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ بَابُ مَاتَ وَعَلَيْهِ نَذْرٌ.

(صحیح بخاری، ج: ۲، ص: ۹۹۱)

”کہ ایک عورت جس کی ماں نے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تھی اور اس کی ادا یگی سے پہلے وہ مر گئی تو عبد اللہ بن عمر نے اس کی بیٹی کے دریافت کرنے پر اس کو حکم دیا کہ ماں کی طرف سے وہ خود نماز پڑھے۔“

آگے امام بخاری فرماتے ہیں کہ ”وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ“ (اور عبد اللہ ابن عباس نے بھی اسی طرح فرمایا ہے)

اور سنن ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ایک سلسلہ کلام میں فرمایا:

مَنْ يَضْمَنْ لِيْ مِنْكُمْ أَنْ يُصَلِّي لِيْ فِي مَسْجِدِ الْعَشَاءِ رَكْعَتَيْنِ  
أَوْ أَرْبَعَةَ وَيَقُولُ هَذِهِ لَأِبِيْ هُرَيْرَةَ۔ (باب فی ذکر البصرۃ کتاب الملاحم ج ۲ ص ۲۳۶)  
”کون ہے جو میرے لیے اس کا ذمہ لے لے کہ وہ مسجد عشا میں میرے  
واسطے دو یا چار رکعت نماز پڑھے اور کہے یہ ابو ہریرہ کے لیے ہے۔“

ان آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز کے ذریعے اموات کی نفع رسانی اور ایصال ثواب کے مسئلہ سے بھی صحابہ کرام پوری طرح آشنا تھے اور اس کو صحیح سمجھتے تھے۔

۱۔ حضرت ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اموات کی طرف سے روزے رکھنے اور نماز پڑھنے کی ممانعت بھی روایت کی گئی ہے (جس کا ذکر ابھی گزر چکا ہے) ہمارے نزدیک ان اقوال کے اس ظاہری تعارض کا حل یہی ہے کہ نیابت ادا کرنے سے تو ممانعت کی گئی ہے اور نماز روزے کے ذریعے ایصال ثواب کی ہمت افزائی فرمائی گئی ہے۔ واللہ اعلم۔

۲۔ یہاں یہ ظاہر کردینا ضروری ہے کہ اس روایت کے دوراویوں (ابراهیم بن صالح اور ان کے والد صالح بن درهم) میں اکثر محمد شین نے کلام کیا ہے لیکن ابن حبان نے ان کو ثقات میں شمار کیا ہے۔  
(بذل الجهود ج ۵ ص ۱۰۹)

اور اصل تو یہ ہے کہ جب عبادات کے متعلق اصولی طور پر یہ ثابت ہو چکا کہ زندے اگر چاہیں تو اپنی عبادتوں کا ثواب اموات کو ہدیہ کر سکتے ہیں۔ تو پھر فقہی نظر میں ہر نوع کی عبادت کے لیے مستقل اور الگ الگ دلیل کی ضرورت نہیں۔

### مبحث ششم

## اموات کی طرف سے حج

خالص مالی اور خالص بدنی کے علاوہ عبادت کی جو ایک تیری قسم ہے جس میں روپیہ پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے اور محنت مشقت بھی پڑتی ہے (جیسے کہ حج) تو اس کے ذریعہ اموات کی نفع رسانی اور ایصال ثواب کے متعلق بھی متعدد صریح احادیث کتب صحاح ہی میں مردوی ہیں۔ ازاں جملہ ایک تو حضرت بریدہؓ کی وہی حدیث ہے جو صحیح مسلم کے حوالہ سے ابھی ابھی بیان ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک عورت نے چند مسئلے پوچھے جن میں آخری مسئلہ یہ تھا کہ میری والدہ بغیر حج کیے فوت ہو گئی ہیں کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! تم ان کی طرف سے حج ادا کرو (صحیح مسلم باب قضاء الصوم عن الميت حج۔ اص ۳۶۲) دوسری حدیث حج کے بارہ میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ہے جو صحیح بخاری میں باس الفاظ مروی ہے:

ان امراءَةَ مِنْ جُهَيْنَةَ جَاءَتِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَقَالَتِ إِنَّ أُمِّيْ نَذَرَتْ أَنْ تَحْجَجَ فَلَمْ تَحْجَ حَتَّى مَاتَتْ فَأَفَأَحْجَجَ عَنْهَا قَالَ حَجَّى عَنْهَا أَرَائِيْتِ لَوْ كَانَ عَلَىٰ مَكِّ دِيْنُ أَكُنْتِ قَاضِيَّةً أَقْضَوَ اللَّهُ فَاللَّهُ أَحَقُّ بِالْوَفَاءِ۔

(ج: ۱، ص ۲۵۰)

”کہ قبیلہ جھینہ کی ایک عورت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی

اس حدیث کی مختلف روایات میں کچھ معمولی سے اختلافات ہیں جن کی وجہ سے اس کے افطراب کا ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن حجر نے مفصل کلام کر کے اس اختلاف کو حل کیا ہے۔ (فتح الباری، ص: ۲۲۱ جزے)

کہ میری والدہ نے حج کی نذر کی تھی اور وہ اس کے پورا کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئیں، تو کیا میں ان کی طرف سے حج کر سکتی ہوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہاں بیشک تم ان کی طرف سے حج ادا کرو۔ پھر آپ نے فرمایا بتاؤ اگر تمہاری ماں پر کچھ قرض ہوتا تو تم اس کو ادا کرتیں یا نہیں۔ پس ایسے ہی اللہ کا جو حق ان پر تھا (یعنی حج) اس کو بھی ادا کرو۔ اللہ پاک تو ادا یگئی حقوق کا اور زیادہ مستحق ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اموات کی طرف سے حج بھی کیا جاسکتا ہے اور آخری حدیث میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد نے کہ ”جس طرح اموات کی طرف سے قرضے ادا کیے جاسکتے ہیں اور وہ ادا ہو جاتے ہیں اسی طرح اللہ کا قرض بھی ادا کیا جاسکتا ہے“۔ اس مسئلہ کو ایک اصولی حیثیت دے دی ہے۔

یہاں اس چیز کا واضح کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نماز اور روزہ دغیرہ خالص بدنبال عبادات کے اموات کے لیے کرنے نہ کرنے اور ان کے نافع ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں تو اگرچہ ائمہ سلف میں اختلاف ہوا ہے (جیسا کہ مذکور ہو چکا) لیکن حج کے بارہ میں صدقہ خیرات ہی کی طرح ان میں اس امر پر بالکل اتفاق ہے کہ اموات کی طرف سے حج کیا جاسکتا ہے اور اس سے اموات کو نفع اور ثواب پہنچتا ہے۔ اگرچہ پھر بعض نے اس کو مطلقاً تسلیم کیا ہے اور بعض کے نزد یہ حکم کچھ قیود اور شرائط کے ساتھ مشروط ہے جس کی تفصیلات ”فتح الباری“، دغیرہ شروح حدیث اور مبسوطات فقہ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

واضح رہے کہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری کی ان دونوں حدیثوں (حدیث بریدہ اور حدیث ابن عباس) کے علاوہ چند اور حدیثیں صحیحیں اور سنن میں اس مضمون کی بھی موجود ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے ایسے معدود اور بے دست و پابوڑ ہوں کے متعلق سوال کیا گیا ہو سفر اور نقل و حرکت کے قابل نہ ہونے کی وجہ سے خود حج نہیں کر سکتے کہ کیا ان کی طرف سے کوئی دوسرا ان کا آدمی حج ادا کر سکتا ہے؟ تو آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت دی۔

اس قسم کے متعدد واقعات احادیث صحیح میں مردی ہیں، نیز احادیث سے اس کا بھی ہیں  
بہوت ملتا ہے کہ عہد نبوی میں اس طرح دوسروں کی طرف سے حج کیا گیا۔ حدیث کی  
متداول ہی کتابوں میں اس موضوع پر مستقل ابواب ہیں، لیکن چونکہ اس مقالہ میں ہماری  
اصل بحث اموات کی طرف سے اعمال خیر کرنے اور ان کیلئے اس کے نافع ہونے ہی  
سے متعلق ہے اس لیے ان احادیث کو ہم نے یہاں درج نہیں کیا ہے اگرچہ اتنی اصولی  
بات ان احادیث سے بھی ثابت ہوتی ہے کہ ایک مسلمان اپنے عمل سے دوسرے مسلمان  
کو نفع اور ثواب پہنچا سکتا ہے اور اسی اصل پر مسئلہ ”ایصال ثواب“ کی بنیاد ہے۔

اسی مسئلہ کے متعلق ایک اور علمی بحث بھی یہاں قابل ذکر ہے جس سے اس  
مسئلہ کے سلسلہ میں ناظرین کرام کو مدد مل سکتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

### نیابت کی صحت کے لحاظ سے عبادات کی تقسیم

دوسروں کی طرف سے اعمال خیر کرنے کے بارہ میں جو مختلف احادیث  
دار ہوئی ہیں ان میں غور کر کے اکثر مجتهدین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ”عبادات“، دو قسم  
کی ہیں۔ ایک وہ جن میں نیابت کی گنجائش ہے یعنی جن کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو  
مکلف کی طرف سے کوئی دوسرا نیابتہ ادا کر دے تو وہ ادا ہو جاتے ہیں جیسے کہ بندوں  
کے آپس کے مالی حقوق، قرضہ جات وغیرہ کا حال ہے (مثلاً زید کو عمر و کے ہزار  
روپے دینے ہیں تو اب اگر زید کی طرف سے، مثلاً اس کا بھائی بکر، یہ ایک ہزار  
روپے عمر و کو ادا کر دے تو زید کے اوپر سے اتر جاتے ہیں، پھر خواہ بکر کی طرف سے  
یہ ادا یکی زید کی زندگی میں ہوئی یا زید کے مرنے کے بعد، بہر حال قرضہ زید کی  
طرف سے ادا ہو جاتا ہے) تو یہی حال اللہ پاک کے بعض حقوق بندگی (یعنی بعضی  
عبادات) کا ہے کہ بطور نیابت اگر ان کو مکلف کی طرف سے کوئی دوسرا شخص  
(بالخصوص معذوری کی حالت میں) ادا کر دے تو مکلف ہی کی طرف سے اس کی

ادائیگی ہو جاتی ہے۔ یعنی پھر مکلف کے ذمہ سے وہ حق اتر جاتا ہے اور دوسری قسم کی عبادات وہ جن میں اس طرح کی نیابت نہیں چل سکتی۔

پھر جن مجتہدین نے کل عبادات کی یہ دو قسمیں سمجھیں ہیں (اور انہیں میں سے فقہاء حفیہ بھی ہیں) قریباً وہ سب اس پر متفق ہیں کہ خالص بدنبی عبادات مثلاً روزہ، نماز وغیرہ میں نیابت نہیں چل سکتی۔

لیکن خالص مالی عبادات مثلاً صدقہ و خیرات اور قربانی وغیرہ میں، نیزان عبادات میں بھی جومالی اور بدنبی دونوں قسم کی قربانیوں پر مشتمل ہوں جیسے کہ حج توان سب میں اپنے شرائط کے ساتھ نیابت صحیح ہے یعنی خاص حالات میں دوسروں کے ادا کر دینے سے بھی مکلف کے سر سے اس کا بوجھ اتر جائے گا اور فرض ادا ہو جائے گا۔ جیسا کہ فرضہ وغیرہ آپس کے مالی حقوق کا حال ہے۔ پھر یہ تفریق صرف ”نیابت“ میں ہے۔ ایصال ثواب اس کے علاوہ چیز ہے۔

”ایصال ثواب“ میں خود اس مردے کے فرض کی ادائیگی اور اس کی طرف سے نیابتہ اس عمل کا کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ اپنے کیے ہوئے عمل کا صرف اس کو ثواب پہنچانا پیش نظر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دوسری چیز ہے۔ اور یہ تو دعائے خیر اور دعائے رحمت کی طرح کا صرف ایک حسن سلوک اور میت کے ساتھ احسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے وہ فقہاء جو بدنبی عبادات نماز، روزہ وغیرہ میں نیابت کے قائل نہیں ہیں (مثلاً فقہاء حفیہ) وہ انہی عبادات کے ذریعے ”ایصال ثواب“ کے قابل ہیں۔

### نتیجہ بحث

خیر یہ تو ایک جملہ مفترضہ تھا جو صرف مسئلہ کو سلیمانی کے لیے یہاں ذکر کر دیا گیا۔ اب اصل مسئلہ کے متعلق مذکورہ الصدر دلائل کو سامنے رکھنے کے بعد بطور خالص مدعا کے دو باتیں عرض کرنی ہیں:

**الف:** اتنی بات تو دعاء واستغفار کے متعلق وارد شدہ قرآن پاک کی واضح آیات سے

ثابت ہے کہ اموات کو زندوں کے دعاء و استغفار سے فائدہ پہنچتا ہے، حالانکہ ظاہر ہے کہ یہ دعا اور یہ استغفار ان مددوں کا اپنا عمل نہیں ہے، بلکہ ان کی نفع رسانی کے لیے زندوں ہی کا عمل ہے۔ اس سے منکرین کی یہ بنیاد تو بالکل ڈھنے جاتی ہے کہ کسی آدمی کو کسی دوسرے آدمی کی کسی سعی اور کسی عمل سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔ غرض اس سالبہ کلیہ کوتا (جس کو یہ منکرین اپنی خوش ہبھی سے قرآن کی طرف منسوب کرتے ہیں) خود قرآن مجید کی آیات بینات نے توڑ دیا۔

**ب:** ”محبث دوم“ سے لے کر یہاں تک، عبادات مالیہ، عبادات بدنیہ اور مرکبہ کے متعلق جتنی احادیث پیش کی گئی ہیں وہ سب اگرچہ بجائے خود بے اصطلاح محدثین ”خبر آزاد“ ہیں اور اگرچہ ان کے مضامین اور متضمنات الگ الگ ہیں، لیکن بطور ”قدر مشترک“ کے اتنی بات ان سب سے معلوم ہوتی ہے کہ ”زندہ مسلمان اپنے اعمال خیر کے ذریعہ مددہ مسلمانوں کو نفع اور ثواب پہنچا سکتے ہیں اور یہ نفع اور ثواب مددوں کو پہنچا برحق ہے۔ تو اس مسئلہ کی بنیاد صرف ”خبر واحد“ کے درجہ کی ظنی حدیثوں پر نہیں رہی، بلکہ ”قدر مشترک والے تواتر“ سے اس کا ثبوت ہوا اور اہل علم جانتے ہیں کہ ”توازن قدر مشترک“ بھی ”توازن اسنادی“ ہی کی طرح موجب علم یقین ہوتا ہے۔

۱۔ تواتر قدر مشترک ”توازن“ کی چار قسموں میں سے ایک ہے اور اس کی حقیقت جو علماء اصول نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ مختلف واقعات کو مختلف اشخاص مثلاً نقل کریں، لیکن ان واقعات اور ان مختلف خبروں میں کوئی امر کلی مشترک ہو یعنی وہ بات ان تمام مختلف واقعوں اور خبروں سے یکساں طور پر مفہوم ہوتی ہو تو اگرچہ ان واقعات اور ان خبروں کی تفصیلات پر ہمیں یقین نہ ہو، لیکن ”اس امر کلی مشترک“ کا ہم کو بالکل یقین ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال ہماری روایتی معلومات میں یہ ہے کہ مثلاً رسول اللہ ﷺ کی فقر پاندی اور سادہ زندگی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دورخلافت میں بھی درویشانہ زندگی اور حضرت خالد بن جنابی مہارت یہ سب چیزیں جن مختلف مبتولہ واقعات سے سمجھی جاتی ہیں۔ وہ سب بجائے خود ”خبر آزاد“ ہی اس اور اس لیے ان میں سے ہر واقعہ بجائے خود صرف لفظی ہی ہے، لیکن ان واقعات سے بطور قدر مذکور جو یہ نتیجے نکلتے ہیں یہ اہل علم کے نزدیک بلاشبہ یقینی ہیں۔ یقین جس چیز نے پیدا کیا اس اسی کا ام ”توازن قدر مشترک“ ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ مقدمہ فتح المکہم ص: ۶۲)

نیز اس مسئلہ کو تو اتر عملی بھی حاصل ہے۔ یعنی ہر زمانہ میں مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تفصیلات اور جزئیات میں اختلاف کے باوجود نفس اصولی مسئلہ میں گویا جمہور اہل اسلام اور تمام ائمہ سلف کا اجماع اور اتفاق ہے جیسا کہ مختلف مکاتب خیال کے علماء متقدمین و متاخرین کی کتابیں شاہد ہیں اور سب سے بڑی شہادت دوسری صدی ہجری کے جلیل القدر امام حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کی ہے جو ”صحیح مسلم“ کے حوالہ سے مقالہ ہذا یا بحث چہارم کے آخر میں درج ہو چکی ہے۔

پس کتاب و سنت کے ان واضح دلائل، صحابہ کے آثار، ائمہ سلف کے اجماع و اتفاق اور پوری اسلامی تاریخ کے عملی تو اتر کے ہوتے ہوئے یہ دعویٰ کرنا کہ ”زندوں کے کسی سعی و عمل سے مردوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔“ ایک حیرت انگیز جسارت ہے۔ واضح رہے کہ ہمارا زور اور ہمارا اصرار بھی صرف اتنے ہی اصول پر ہے جس کو تو اتر اور اجماع کی قوت حاصل ہے۔ باقی جن تفصیلات و جزئیات میں اوپر بھی اختلاف ہوا ہے ان کے کسی پہلو پر خود ہم کو بھی اصرار نہیں ہے۔

یہاں تک ہمارا کلام نفس مسئلہ کے ثبوت پر تھا۔ اب ہم حضرات منکرین کے ان دلائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اس بارہ میں ان کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں:

## بحث ہفتہ

### منکرین کے دلائل یا شبہات

ابتداً تمہیدی سطروں میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس مسئلہ میں منکرین کو چند آیات سے بھی مغالطہ لگا ہے اور اس لیے وہ اپنی غلط فہمی سے اس انکار کو قرآن پاک کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

ان آیات پر ہم کو تفصیل سے کلام کرنا ہے، لیکن اس سے پہلے ان کے ایک دو اصولی شبہوں کا جواب دے دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جن کو وہ خود بھی پہلے نمبر پر پیش کیا کرتے ہیں:

پہلا شہر نیا ہے کہ قرآن مجید میں کہیں ایصال ثواب کی تعلیم نہیں دی گئی اور جس چیز کے متعلق قرآن خاموش ہے اور اس کا تعلق عقائد یا عبادات سے کہا جاتا ہے تو پھر وہ چیز دین میں کان لم یکن شیئا مذکورا کا حکمر کھستی ہے اور بالکل بے اصل چیز ہے۔ حرمت ہے کہ اتنا بڑا اور اتنا ہم دعویٰ کتنی سادگی اور بے پرواہی سے کر دیا گیا ہے۔ خیال ایسا ہوتا ہے کہ شاید اس عبارت کے حوالہ قلم کرتے وقت صاحب مضمون سے الفاظ کے انتخاب میں غیر ارادی طور پر چھک ہو گئی ہے ورنہ غالباً ان کا مقصد اتنا عام دعویٰ کرنا نہ ہو گا جس سے دین کی ساری عمارت ہی درہم برہم ہو جاتی ہو۔

اور چیزوں کو جانے دیجئے صرف نماز ہی کو لے لیجئے جو دین کا رکن رکین اور افضل عبادات ہے۔ سب جانتے ہیں کہ قرآن میں تو صراحت یا اشارۃ یہ بھی مذکور نہیں ہے کہ فجر میں اتنی رکعت پڑھی جائیں، طہر میں اتنی، عصر میں اتنی اور مغرب و عشاء میں اتنی اتنی، نیز قرآن اس سے بھی خاموش ہے کہ ایک ایک وقت کی نماز میں کتنے رکوع ہوں، کتنے سجدے، کتنے قعدے اور پھر کہاں کہاں کیا کیا پڑھا جائے؟ اور ظاہر ہے کہ ان سب سوالات کا تعلق اعلیٰ درجہ کی عبادت نماز ہی سے ہے اور قرآن ان تمام امور سے خاموش ہے۔ (ہاں! احادیث اور راسوہ رسول سے یہ سب چیزیں معلوم ہوتی ہیں اور اسی پر ساری امت کے عمل کی بنیاد ہے) تو اگر نئی روشنی کے اجتہاد کے اس دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے کہ:

”جس چیز کے متعلق قرآن خاموش ہے اور اس کا تعلق عقائد یا عبادات سے ہے تو پھر وہ چیز دین میں ”کان لم یکن شیئا حصل کورا“ اور بالکل بے اصل ہے۔ تو نماز تک کی کوئی متعین شکل نہیں ہو سکتی ہے والیا ذ باللہ تعالیٰ۔

جیسا کہ عرض کیا گیا بہت ممکن ہے کہ جسن صاحب نے مسئلہ ایصال ثواب پر

ا۔ انکار ایصال ثواب پر رجب و شعبان ۱۳۶۳ھ کے ”الفرقان“ میں صوبہ بہار کے ایک صاحب کا مضمون شائع ہوا تھا یہ اسی کا اقتباس ہے۔ ۱۲

کلام کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں ان کی مراد اتنی عام نہ ہو، لیکن یہ واقعہ ہے کہ یہ گمراہی سخت جاہلانہ ہونے کے باوجود آج کل عام ہے اور کتنے ہی بی۔ اے، ایم۔ اے پاس قسم کے نئی روشنی کے مجتہدین ہیں جو اس قسم کے مضامین پڑھ پڑھ کر ہی دین کے ساتھ تلاعہ کرتے رہتے ہیں۔ اگر اس قسم کی علمی بدتمیزی کی عبرت ناک مثال دیکھنی ہو تو پنجاب کے ایک منکر حدیث صاحب کا صرف ایک رسالہ "صلوٰۃ المرسلین" دیکھنا کافی ہو گا جو کئی سال ہوئے ان صاحب نے "نظمی پر یہ بدلیوں" میں چھپوا کر شائع کیا تھا۔ جس میں مسلمانوں کی نماز کو غیر قرآنی، بلکہ قطعاً خلاف قرآن ثابت کرنے کے بعد اپنی طرف سے نماز کا ایک نیا طریقہ اس دعوے کے ساتھ پیش کیا تھا کہ یہی قرآنی نماز ہے اور انبیاء و مرسیین بس ایسی ہی نماز پڑھا کرتے تھے۔

بہر حال اگر اس اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ عقائد و عبادات کے متعلق جو چیز قرآن میں مذکور نہ ہو وہ دین میں بے اصل ہے تو سارے دین ایک متعین دستور حیات ہونے کے بجائے آوارگان عصر کی آرزوؤں کے مطابق محض ایک مہم فلسفہ ہو کر رہ جائے گا، جس کی نہ نماز متعین ہو گی نہ روزہ نہ کچھ اور، مجھے معلوم ہے کہ جن صاحب کی عبارت اور پرمنقول ہوئی ہے وہ خود اس خیال کے نہیں ہیں، بلکہ نمازوں غیرہ کے جوار کان اور تفصیلات صاحب نبوت سے ثابت ہیں وہ ان سب کو واجب الاتباع جانتے ہیں۔ پس ان سے عرض کرنا یہ ہے کہ جب نماز کے ارکان اور اس کے متعلق دیگر ضروری چیزوں سے قرآن مجید کے خاموش ہونے کے باوجود ارشادات نبوی اور اسوہ نبوی سے ہم یہ چیزیں لیتے ہیں اور ان کو جگہ دین سمجھتے ہوئے واجب العمل جانتے ہیں تو پھر اسی سرچشمہ سے اگر "ایصال ثواب" جیسے مسائل معلوم ہوں (حالانکہ ان کی اہمیت کو نماز اور اس کے متعلقات کی اہمیت سے کوئی نسبت نہیں ہے) تو پھر وہ کیوں قابل اتباع نہ ہوں گے۔

علی ہذا یہ حضرت اس کا بھی انکار نہیں کر سکتے کہ بہت سی حرام غذاوں کے حرمت کے بیان سے قرآن خاموش ہے (حتیٰ کہ کتنے کی حرمت بھی قرآن شریف

میں کہیں صاف بیان نہیں کی گئی ہے) اور یہ سب چیزیں صاحبِ نبوت ہی کے ارشادات اور آپ کے اسوہ ہی سے معلوم ہوتی ہیں اور اس بارے میں جو کچھ آپ سے ثابت ہو جائے وہ سب واجب الاتباع ہے۔ تو ایصالِ ثواب جیسے مسائل میں قرآن مجید اگر خاموش ہو، لیکن سنت نبوی ناطق ہو تو کیوں وہ احکام نبوی واجب الاتباع نہ ہوں گے۔ اگر صحیح غور و فکر سے کام لیا جائے، تو معلوم ہو گا کہ یہاں کوئی اور درمیانی راہ نہیں ہے۔ صرف دو ہی را ہیں ہیں ایک یہ کہ ”ما جاءء من عند الله“، یعنی وحی الہی کو صرف قرآن میں مختصر مانا جائے اور صاف کہہ دیا جائے کہ جو چیز قرآن میں نہیں ہے وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اس اصول پر تو ہر اس چیز کے امر دینی سے انکار ہی کرنा صحیح ہو گا جو قرآن میں بیان نہ کی گئی ہو خواہ وہ کسی باب کی ہو۔

اور دوسری راہ یہ ہے کہ ”ما جاءء من عند الله“ کو قرآن میں مختصر نہ سمجھا جائے، بلکہ مانا جائے کہ اللہ کے رسول پر قرآن کے علاوہ بھی وحی ہوتی تھی اور اس لئے دین کے کسی شعبہ میں بھی اگر آنحضرت ﷺ سے کوئی حکم اور کوئی بات قابلِ دل و ثوق طریقہ سے ثابت ہو جائے تو اس کو واجب الاتباع مان کر اس کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا جائے خواہ وہ عقائد سے متعلق ہو یا عبادات سے، معاملات سے متعلق ہو یا حلال و حرام سے، قرآن اس سے خاموش ہو یا اس کے بارہ میں ناطق۔ بہر حال یہ مان لینے کے بعد کہ دین کے بارے میں رسول اللہ ﷺ صرف اوامر الہیہ کے ترجمان تھے اور قرآن مجید کے علاوہ بھی آپ پر وحی ہوتی تھی (جس کو وحی غیر متلو کہتے ہیں اور اسی وحی سے نماز وغیرہ کی تفصیلات متعین ہوئی ہیں) اس قسم کے نظریات کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ:

”قرآن جن چیزوں سے خاموش ہوا اور ان کا تعلق عقائد یا عبادات سے ہو تو وہ دین میں سرے سے بے اصل اور کان لم یکن شیاء مذکورا ہیں۔“

پس اگر ایصالِ ثواب کی تعلیم سے قرآن مجید خاموش بھی ہے، لیکن سنت نبوی سے صرف صحیح اسانید ہی کے ساتھ نہیں، بلکہ ”بتو اتر قدر مشترک“، وہ ثابت ہے،

پھر امت کے عملی تواتر اور ائمہ دین کے تمام طبقات فقہاء و مجتہدین، محدثین و مفسرین کے اجماع واتفاق نے اس کے ثبوت کو اور بھی زیادہ قطعی اور یقینی کر دیا ہے تو یقیناً وہ حق ہے۔ **و ما ذا بعد الحق الا الضلال۔**

دوسرا شبهہ: دوسرا شبهہ اسی قسم کا یہ کیا جاتا ہے کہ اگر ”ایصال ثواب“ کا نظر یہ صحیح ہوتا تو عہد نبوی اور عہد صحابہ میں اس پر عام طور سے عمل کیا جاتا، حالانکہ یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس زمانہ میں ایصال ثواب کا معمول ہوا اور لوگ عام طور سے ایسا کرتے ہوں۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں اموات کی طرف سے اور ان کی نفع رسانی کے لیے صدقہ و خیرات کرنے قربانی کرنے، غلام آزاد کرنے، حتیٰ کہ روزہ نماز اور حج کرنے کے متعدد واقعات ہماری پیش کردہ روایات سے معلوم ہو چکے ہیں اور نفس مسئلہ کے ثبوت کے لیے اتنا ہی کافی بلکہ کافی سے زائد ہے۔

علاوہ ازیں صحابہ کرام سے اس قسم کی کسی چیز کا عام طور سے منقول نہ ہونا اس بات کی ہرگز دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ کبھی اس کو کرتے ہی نہ تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ جن امور میں اعلان و اظہار اور تدائی مطلوب ہو جیسے کہ مثلاً فرض نمازوں کا جماعت سے مسجدوں میں پڑھنا، رمضان کے روزے رکھنا، حج کرنا، قربانی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ سو یہ سارے کام چونکہ علی الاعلان کرنے کے ہیں اس لیے ایک دوسرے کو اس کا علم ہونا اور پھر نقل کیا جانا قرین قیاس ہے، لیکن جن کاموں کی یہ حیثیت نہیں ہے مثلاً غریب پڑو سیوں اور غریب عزیزوں قریبوں کے ساتھ کچھ سلوک کرنا، تیموں اور بیواؤں کی خبر لینا وغیرہ وغیرہ جن میں اخفاہی بہتر ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان کاموں کا اظہار و اشتہار چونکہ مناسب نہیں اس لیے دوسروں کے علم میں وہ بہت کم آسکیں گے اور اس واسطے ان کی نقل و روایت بھی نہ ہو سکے گی۔ صحابہ کرام نے کام طرز یہ تھا کہ اس قسم کے کاموں میں وہ اخفاء کو پسند فرماتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اجتماعی قسم کے دینی کاموں کے علاوہ اس قسم کی انفرادی نیکیاں ان سے بہت زیادہ منقول نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ

تابعین میں ایسا ہوتا تو ضروری منقول ہوتا، کیونکہ اعلان و تدابعی کے ساتھ اجتماعی طور پر جو کام کیے جائیں ان کا منقول ہو کر ہم تک پہنچنا عقلاء و عادتاً ضروری ہے، لیکن ہماری بحث صرف اصولی مسئلہ میں ہے۔ مروجہ تیجہ دسوال چاہیسوال وغیرہ جیسی لغو اور جاہلانہ رسماں کے غلط بلکہ بدعت و معصیت ہونے میں کوئی صاحب علم شک کر سکتا ہے؟

الحاصل، عہد نبوی اور قرآن صحابہ میں ”ایصال ثواب“ کے عملی واقعات کا ثبوت جو کم ملتا ہے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کہ صحابہ کرام ”ایصال ثواب“ اور اموات کی نفع رسانی کے لیے کوئی عمل کیا ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ کام چونکہ ان ہی نیکیوں میں سے ہے جن کو چھپا کر کرنا چاہیئے اور اعلان و اظہار اس کے لیے مناسب نہیں ہے۔ اس لیے صحابہ کرام نے اس کو اعلان و اظہار کے ساتھ نہیں کیا اور اس لیے اس کے واقعات ہم تک کم پہنچے، بلکہ غور کرنے کی بات ہے کہ یہ جو چند متفرق واقعات احادیث سے معلوم بھی ہوتے ہیں وہ بھی اس وجہ سے نقل دروایت میں آگئے ہیں کہ کسی صحابی نے مثلاً آنحضرت ﷺ سے سوال کیا تو آپ نے جواب دیا، یا اسی طرح کسی صحابی سے سوال کیا گیا اور انہوں نے جواب دے دیا، یا کوئی اور ایسا ہی محرک پیش آگیا تو اظہار کر دیا گیا۔

بہر حال واقعات اور جو آنحضرت ﷺ کے ارشادات اس سلسلہ میں کتب احادیث میں درج ہو گئے ہیں وہ بھی سوالات کی کھود کر یہ، یا کسی اور محرک کی وجہ سے ظاہر ہو گئے ہیں، ورنہ شاید ان پر بھی پرده پڑا رہتا۔ مثلاً حضرت سعد بن کاپن والدہ کی طرف سے کنوں اور باغ وقف کرنا، یا بعض اور صحابہ اکرام کا حضرت سے صدقہ عن المیت اور حج عن المیت وغیرہ کے متعلق سوال کرنا اور اس پر عمل کرنا یا حضرت علیؓ کو دو قربانی کرتا دیکھ کر کسی شخص کا ان سے دریافت کرنا کہ یہ دو قربانی آپ کس لیے کرتے ہیں؟ اور حضرت علیؓ کا بتانا کہ دوسری قربانی میں جناب رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کرتا ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ ساری چیزیں سوال کرنے والوں

کی کھو دکر یہ نے ظاہر کیں۔ الغرض صحابہ کرامؐ کے حالات سے یہ بہت، ہی مستبعد ہے کہ وہ اموات کے لیے کوئی نیک کام کریں اور دوسروں کو جتنا میں کہ یہ ہم فلاں کو ثواب پہنچانے کے لیے کر رہے ہیں۔ بہر حال ایصالِ ثواب کے عملی واقعات کے کم منقول ہونے کی اصل وجہ یہی ہے، نہ یہ کہ اس باب میں وہ کچھ کرتے ہی نہ تھے۔ واللہ اعلم۔

### آیات قرآنی سے مغالطہ

آخر میں ہم ان آیات کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں جن کو پڑھ پڑھ کر یہ حضرات منکرین دوسروں کو مغالطہ دیا کرتے ہیں یا وہ خود، ہی ان کے بارہ میں مغالطے میں ہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی آیت جس کو یہ حضرات اپنی خوش فہمی سے نظریہ ”ایصالِ ثواب“ کے خلاف گویا نص قطعی سمجھتے ہیں سورہ والنجم کی یہ مشہور آیت ہے۔

**لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى**

”انسان کے لیے بس وہی ہے جو اس نے سعی کی اور کمایا“

”لیکن اگر سلامت فہم کے ساتھ معمولی غور و فکر سے کام لیا جائے تو یہ غلط فہمی دور ہو سکتی ہے یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اس آیت میں ”انسان“ پر جو ”ل“ ہے یہ آیا ملکیت کے لیے ہے یا انتفاع کے لیے؟ پہلی صورت میں آیت کا مطلب اور مفاد یہ ہو گا کہ ”انسان صرف اپنی، ہی سعی و محنت اور اپنی، ہی کمالی کا مالک ہے۔ دوسروں کی محنت اور کمالی کا وہ مالک نہیں اور اس میں کسی کو اختلاف نہیں بلکہ نظریہ ”ایصالِ ثواب“ کی بنیاد، ہی اس پر ہے کہ انسان چونکہ اپنی سعی و عمل کا مالک و مختار ہے اس لیے اس کو حق ہے کہ وہ اپنی چیز دوسرے کو ہدیہ کر دے۔ بہر حال اس آیت میں ”ل“، اگر ملکیت کا مانا جائے تو مسئلہ ایصالِ ثواب کے لیے یہ آیت مخالف تو کیا ہوتی کچھ موید اور موافق، ہی ہو گی اور اہل علم کو معلوم ہے کہ ”ل“ کا استعمال زیادہ تر ملکیت، ہی کے لیے ہوتا ہے اور

قرآن مجید میں اس کا بیشتر استعمال اسی معنی میں ہوا ہے۔

اور اگر دوسری صورت اختیار کی جائے یعنی ”ل“، کو انتفاع کے لیے لیا جائے تو آیت کا مطلب اور مفاد یہ ہو گا کہ:

”انسان کو اپنی ہی سعی و محنت سے نفع ہوتا ہے اور اس کی اپنی ہی کمالی اس کے کام آتی ہے۔“

پھر اس صورت میں یہ مانتا پڑے گا کہ یہ حصر محض اضافی اور عرفی ہے۔ منطقی قسم کا حصر کلی نہیں ہے اور آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کو اپنے ذاتی عمل کے سوا کسی دوسری چیز سے مطلقاً کوئی نفع ہو، ہی نہیں سکتا، کیونکہ یہ بات از روئے قرآن اور از روئے مشاہدہ دنیا کے لحاظ سے بھی غلط ہے اور آخرت کے لحاظ سے بھی ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص محنت کر کے کھاتا ہے اور بہت سوں کو کھلاتا ہے۔ صدقہ و خیرات کرتا ہے۔ ہدیے دیتا ہے۔ خود قرآن مجید بھی کمالی کرنے والوں اور دولت پیدا کرنے والوں کو جابجا حکم دیتا ہے کہ وہ اس سے دوسرے حاجت مندوں اور فقراء و مساکین کو نفع پہنچائیں۔ علی ہذا قرآن بتلاتا ہے کہ ایک شخص مر جائے تو اس کے کمائے ہوئے مال و دولت سے اتنا ماں کو، اتنا باپ کو اتنا اتنا بیٹوں اور بیٹیوں کو ملے گا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ احکام قرآنی سے اور بھی اس کی دسیوں بیسیوں نظیریں نکالی جاسکتی ہیں کہ اس دنیا میں ایک کی سعی و محنت سے دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ علی ہذا آخرت کے متعلق بھی قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے نیک اعمال کے علاوہ اللہ پاک کی خاص رحمت اور اس کے فضل ذکر میں سے بھی بہت سوں کو بہت کچھ ملے گا نیز باذن خداوندی شفاعت کا نافع ہونا بھی قرآن مجید ہی سے ثابت ہے، علی ہذا انبیاء و صالحین اور ملائکہ مقرر ہیں کا اہل ایمان کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا میں کرنا بلکہ خود اللہ پاک کا اس دعا و استغفار کے لیے حکم دینا بھی قرآن پاک ہی سے ثابت ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دعا میں لغو اور بے کار نہ جائیں گی۔ بلکہ اللہ پاک کے یہاں قبول ہو

کر ان اہل ایمان کی مغفرت و رحمت اور رفعت درجات کا ذریعہ ہنسیں گی اور یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ اللہ پاک کا یہ رحم و کرم فرمانا اور اعمال کی پی تلی جزا کے علاوہ حض اپنے فضل سے کچھ اور انعامات سے نوازنا بندہ کی اپنی سعی اور اپنی کمائی نہیں ہے بلکہ اللہ پاک کا فعل ہے اسی طرح آخرت میں مقربین کی شفاعت اور اس دنیا میں زندگی کا دعا و استغفار کرنا یہ بھی دوسروں ہی کا فعل ہے اور ان سب سے نفع پہنچنا نصوص قرآن سے ثابت ہے۔ پس یہ کلیہ کہ کسی انسان کو اپنی سعی و محنت کے علاوہ کسی دوسری چیز سے کوئی نفع نہیں پہنچتا دنیا کے لحاظ سے بھی اور آخرت کے حق میں بھی از رائے قرآن غلط ثابت ہوا۔

الہذا "ل" کو اگر اتفاق کے لیے مانا جائے تو لامحالہ ماننا پڑے گا کہ آیت میں جو حصر کیا گیا ہے یہ منطقی قسم کا حصر کلی نہیں ہے، بلکہ یہ حصار اضافی اور عرفی ہے۔ یعنی آیت کا مقصد انسان کی اپنی سعی کے علاوہ جمیع ماسوئی کی نافیعت کی نفی کرنا نہیں ہے بلکہ خاص طور سے ان چند غلط فہمیوں کو دفع کرنا مقصود ہے جن میں بہت سی قویں اور بہت سے گروہ اس وقت بتلا تھے اور اب تک بتلا ہیں۔ مثلاً بنو اسرائیل سمجھتے تھے کہ ہم چونکہ نبیوں کی اولاد ہیں اس لیے ہم جنت میں جائیں گے یا مثلاً مشرکین عرب کا خیال تھا کہ ہمارے دیوتاؤں کا جو اللہ سے خاص تعلق ہے بس یہ ہماری نجات کا ذریعہ ہو جائے گا اور اسی طرح عیسائی سمجھتے تھے کہ یسوع مسیح سولی پر چڑھ کر ہم سب کی طرف سے کفارہ ادا کر چکے ہیں اس لیے ان کی یہ قربانی ہماری نجات کے لیے کافی ہے۔ ہندستان میں بھی برہمن پنڈت آج تک اسی قسم کی توہمات میں بتلا ہیں تو "ل" کو اتفاق کے لیے ماننے کی صورت میں آیت کو حصر عرفی پر محمول کر کے ماننا پڑے گا کہ آیت کا منشاء بس اس قسم کے توہمات اور بے اصل خیالات کی نفی کرنا ہے اور مطلب صرف یہ ہے کہ آدمی اس قسم کی غلط فہمیوں اور جھوٹی امیدوں میں بتلانہ رہے کہ میرے باب دادا یا میرے بزرگ اور پیشووا چونکہ نیک اور خدا کے مقرب بندے تھے اس لیے

ان کے تعلق اور ان کی برکت کی وجہ سے میں بھی بخشندا جاؤں گا اور ان کے نیک اعمال مجھے بھی جنت میں لے جائیں گے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ زہراؓ اور اپنے دوسرے اقارب سے فرمایا تھا کہ ”عمل کرو! عمل! اس گھمنڈ میں نہ رہو کہ میرا خونی رشتہ اور میرا قرامتی و خاندانی تعلق تمہیں نجات دلائے گا۔“

الغرض حصر عرفی کی اس تقدیر پر آیت کا مدعا صرف مذکورہ بالاقسم کی کراہانہ اور بے اصل اوہا م کی تردید کرنا ہی ہو گا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی کریمانہ رحمت و مغفرت مقربین کی شفاعت، انبیاء ملائکہ اور مونین کی دعاء واستغفار اور علی ہذا ایصال ثواب کی صحیح صورتوں کی نافیت سے اثباتیاً نفیاً اس آیت کا کوئی تعلق نہ ہو گا۔

اور اس طرح کا حصار اضافی و عرفی ہر زبان کے محاورات کلام میں اور خصوصاً قرآن مجید میں بکثرت مستعمل ہے۔ بلکہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ حصر زیادہ تر اضافی و عرفی ہی استعمال ہوتا ہے۔ ہم صحیح سے شام تک بارہابولتے ہیں ”میں اس کے سوا کچھ نہیں جانتا“، ”میں اس کے سوا کچھ نہیں کہتا“۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا۔ ”میرے پاس اس چیز کے سوا کچھ نہیں ہے۔“ ”میرے پاس سوائے فلاں شخص کے کوئی نہیں آیا۔“ اس قسم کی صد ہا مثالیں ہیں جو ہماری زبانوں پر روزمرہ آتی رہتی ہیں اور مراد حصر عرفی ہی ہوتا ہے اور اگر کوئی بد ذوق شخص گفتگو کے وقت اس قسم کے جملوں سے حصر منطقی مراد لے کر بحث کرنے لگے تو اس کو جاہل اور ناقابل خطاب سمجھا جائے گا۔

خود قرآن مجید میں بھی تلاش کرنے سے اس کی سینکڑوں مثالیں مل سکتی ہیں۔ ان میں سے چند یہاں بھی ملاحظہ ہوں:

(۱) مَا عَلِيَ الرَّسُولُ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔ (سورہ نور ۷)

”رسول کے ذمہ سوائے صاف صاف اور کھلی کھلی تبلیغ کے اور کچھ نہیں“۔ ظاہر ہے کہ اگر اس حصر کو منطقیوں کا سا اصطلاحی حصر کلی مانا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ رسول کے ذمہ سوائے تبلیغ کے اور کوئی کام نہیں ہے۔ حالانکہ ان کے ذمہ نماز

روزہ حج قربانی وغیرہ سارے ہی دوسرے فرائض بھی ہوتے ہیں۔ اس لیے سب کے نزدیک اس میں حصر اضافی ہی ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی کو مومن و صالح بنادینا رسول کے ذمہ نہیں بلکہ بس پیغام ہدایت پہنچادینا ان کا کام ہے۔ ( واضح رہے کہ اس مضمون کی قریبادس بارہ آیتیں قرآن مجید میں ہیں )

(۲) إِنَّمَا يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلْهَكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ۔ (سورۃ النبیاء ع آخر)

”میری طرف تو بس یہ ہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود، بس ایک ہی معبود برحق ہے“ اس آیت میں بھی اگر منطقی قسم کا حصر کلی مانا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ حکم تو حید کے سوا اور کسی امر کی بھی وحی رسول اللہ ﷺ پر نہیں ہوتی تھی حالانکہ یہ غلط ہے اور ایسا غلط کہ اس پر عقیدہ رکھنا کفر۔ اس لیے یہ حصر بھی سب کے نزدیک اضافی اور عرفی ہی ہے، یعنی الہیات کے بارہ میں مشرکین کے جو مزعومات تھے بس ان کی ہی نفی مقصود ہے (یہ مضمون بھی قریب قریب ان ہی الفاظ میں قرآن پاک میں بہت سی جگہ ادا کیا گیا ہے )

(۳) قُلْ لَا إِجْدُ فِيمَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَى طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ حِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ۔ (انعام ع ۱۸)

”اے رسول! آپ کہہ دیجیے کہ میرے پاس جو وحی بھیجی گئی ہے میں اس میں کوئی حرام غذائیں پاتا کسی کھانے والے کے لیے سوائے اس کے کوہ مردار جانور ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو کیونکہ وہ بالکل ناپاک ہے یا وہ جانور جو خدا کی نافرمانی میں غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو“۔

اس آیت میں اگر حصر کلی مانا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ شریعت اسلامیہ میں بجز ان چار چیزوں کے اور سب چیزوں کا کھانا جائز ہے۔ گویا بھی، کتنے سارے درندے پرندے، حشرات الارض وغیرہ وغیرہ میں سے کسی کا کھانا بھی حرام نہیں۔ حالانکہ یہ بالبداء ہت باطل ہے اور سب کے نزدیک یہاں بھی حصر اضافی ہی ہے اور

صرف ان چیزوں کی حرمت کی نفی مقصود ہے جن کو مشرکین عرب نے اپنی تو ہم پرستی سے حرام مان رکھا تھا۔ (یہ مضمون بھی قرآن پاک میں متعدد جگہ وارد ہوا ہے۔)

(۲) أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِنْ جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ.

(اعراف ۲۳۴)

”کیا ان لوگوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ ان کے پاس بھیجے ہوئے رسول کو ذرا بھی جنون نہیں وہ تو سوا اس کے کچھ نہیں کہ صاف صاف ڈرانے والے ہیں۔“

اس آیت کے آخری جزو میں بھی اگر حصر کلی مراد لیا جائے تو مطلب یہ ہو گا کہ رسول صرف نذیر (ڈرانے والے) ہیں اور اس ڈرانے کے سوا ان کا کوئی کام اور کوئی وصف نہیں ہے حالانکہ قرآن ہی ان کے اور بہت سے کام اور بہت سے اوصاف بیان کرتا ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ بشیر ہیں، شاہد ہیں، خاتم النبیین ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، مزمل ہیں مدثر ہیں۔ مومنین کے ساتھ رواف ہیں رحیم ہیں وغیرہ وغیرہ۔ پس یہاں بھی حصر اضافی ہی ہے۔ یعنی کفار و مشرکین کو حضور ﷺ کے متعلق جو غلط فہمیاں تھیں اور حضور پر جو بہتان وہ لگاتے تھے پس ان کی نفی مقصود ہے نہ کہ ”انذار“ کے علاوہ تمام دوسری واقعی صفات کی (یہ مضمون بھی قرآن پاک میں قریباً ایسے ہی لفظوں میں دسیوں بیسیوں جگہ مذکور ہوا ہے)

”مشتبہ نمونہ از خوارے“ صرف ان ہی چند آیتوں کی طرف یہاں اشارہ کر دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے ورنہ حصر اضافی و عرفی کی اور بھی ایسی صد ہا مثالیں مخف قرآن کریم ہی سے پیش کی جاسکتی ہیں۔

حصر کی مخصوص تعبیرات کے علاوہ ”خالص نفی“ کی بھی ایسی بہت سی مثالیں قرآن میں مل سکتی ہیں کہ بظاہر ایک چیز کی مطلقاً نفی کی جا رہی ہے، لیکن مقصود اس کے کسی خاص پہلو اور کسی خاص نوع کی نفی کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً قرآن پاک میں متعدد جگہ قیامت کے دن کے متعلق فرمایا گیا ہے۔

لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ

”نہ اس دن میں کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی ہوگی اور نہ کوئی شفاعت“۔  
حالانکہ ایمانی دوستی اور للہی محبت کا قیامت کے دن کار آمد ہونا اور علی  
ہدایاذن خداوندی اہل ایمان کے لیے شفاعت کا ہونا خود قرآن مجید سے ثابت اور  
مسلمات دین میں ہے، اس لیے سب کے نزدیک ان آیات میں اسی دوستی اور اسی  
شفاعت کی نفی کی گئی ہے، جو اللہ پاک کے مقررہ قانون اور اسکی مرضی کے خلاف ہو۔  
پس انہی آیات کی طرح ”لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى“، اور اس جیسی  
دوسری آیات کے متعلق بھی سمجھنا چاہیے کہ ان میں حصر اور نفی کلی نہیں ہے اور ان کا  
مطلوب اور مفاد یہ نہیں ہے کہ انسان کی اپنی سمعی و محنث کے علاوہ کوئی دوسری چیز مطلقاً  
اس کے کام ہی نہیں آ سکتی۔ عرض کیا جا چکا اور بے دلائل ثابت کیا جا چکا کہ یہ مطلب خود  
نصوص قرآنی کے خلاف ہے (اللہ کی رحمت کا کام آنا۔ شافعین کی شفاعت کا نافع ہونا،  
پس ماندگان کے دعا و استغفار سے مردوں کو فائدہ پہنچا خود قرآن سے ثابت کیا جا چکا  
ہے) الہذا مانا پڑے گا کہ یہ حصر کلی نہیں ہے بلکہ آیات مندرجہ بالا کی طرح یہاں بھی حصر  
اضافی اور عرفی ہی ہے اور مطلب بس یہ ہے کہ اپنے نسبی بزرگوں یا پیروں، پیشواؤں کی  
نیک عملی کے فائدہ منداور ذریعہ نجات ہونے کے بارے میں مختلف قوموں اور گروہوں  
کے جو گمراہانہ خیالات اور بے بنیاد جھوٹی امیدیں ہیں وہ سب غلط ہیں، ایک کی کمالی  
دوسرے کے کام نہیں آئے گی بلکہ اپنی ہی سمعی و محنث ہر ایک کے کام آئے گی۔

الغرض مذکورہ بالا وجوہ سے مانا پڑے گا کہ (اگر ”ل“، اس آیت میں انتفاع  
کیلئے ہے تو) اس سے صرف ان غلط توهہات کی تردید مقصود ہے جن میں لوگ بتلاتھے  
اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں بھی اس آیت کا ”مسئلہ ایصال ثواب“ سے  
نفیاً و اشباتاً کوئی تعلق نہیں رہتا۔

یہاں تک جو کچھ بحث کی گئی ہے اگرچہ اس کا تعلق سورہ والنجم کی آیت

”لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى“ سے ہی تھا، لیکن اسی سے ان تمام دیگر آیات کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے جو منکرین ایصال ثواب کی طرف سے اس کے علاوہ پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً:

”لَهُمَا كَسَبْتُ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبْتُ“

”ہر نفس کے لیے وہی ہے جو اس نے کمایا ہے اور اس پر انہی گناہوں کا دبال ہے جو اس نے کیے۔“

”الْيَوْمَ تُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ“

”بروز قیامت ہر نفس کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہ ہو گا۔“

”هَلْ تُجْزُونَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ“

”تم کو صرف تمہارے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا۔“

”مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا“

”جو کوئی نیک عمل کرے گا تو وہ اپنے لیے کرے گا اور جو برائی کرے گا تو اسی پر اس کا دبال ہو گا۔“

یہ اور ان جیسی اور بھی جو آیات ہیں ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس قانون عدل کا اظہار مقصود ہے کہ آدمی اپنے ہی اعمال کے ثواب و عذاب کا حق دار اور ذمہ دار ہے کسی کے نسبی رشتہ یا روحاںی تعلق کی بنیاد پر دوسروں کی نیک عملی سے وہ اپنی نجات کی امید یس نہ باندھے اور نہ یہ امید رکھے کہ میرے گناہوں کی سزا کسی اور پڑاں دی جائے گی۔ علی ہذا یہ بھی نہ سمجھے کہ بیگناہ کیے یا گناہ کے حساب سے زیادہ کسی کو سزا دی جائے گی۔

بہر حال ان آیات میں بھی جہاں حصر کیا گیا ہے وہ بھی حصر اضافی اور عرفی ہی ہے اور ان کا کوئی تعلق نہیں یا اثباتاً مسئلہ زیر بحث سے نہیں ہے۔ علی ہذا سورہ ”طور“ کی آیت ”كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ“ کا مقصد بھی اللہ پاک کے اسی قانون عدل کو واضح کر کے سلسلہ جز اور سزا کے متعلق انہی گمراہانہ خیالات کی

تردید کرنا ہے جن میں لوگ عام طور سے بتلاتے ہیں۔ بہر حال ان آیات سے بھی یہ نتیجہ نکالنا کہ آدمی کو اپنے کسب و عمل اور اپنی ذاتی سمعی و محنت کے سوا کسی اور چیز سے مطلقاً فائدہ نہیں پہنچ سکتا، اپنی ہی خوش فہمی ہے اور اس سلب کلی کے خلاف خود نصوص قرآن اور دیگر ادله شرعیہ ناطق ہیں۔

اس موقع پر شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کی ایک عبارت کا نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس عبارت کو ”بَذَلَ الْجُهُودُ وَ شَرَحَ سُنْنَةِ أَبِي دَاوُدَ“ میں باب ”مَاجَاءَ فِي الصَّدَقَةِ عَنِ الْمَيْتِ“ کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

من اعتقد ان الانسان لا ينتفع الابعمله فقد خرق الاجماع  
فان الا ممّا قد اجماع على ان الانسان، ينتفع بدعاء غيره وهو انتفاع  
بعمل الخير وايضاً انه عليه الصلة والسلام يشفع لاهل الموقف في  
الحساب ثم لاهل الجنة في دخولها ثم لاهل الكبار في الارχاج من  
النار و هو انتفاع بسعى الغير وكذا كلنبي وصالح له شفاعة وذالك  
انتفاع بعمل الغير و ايضاً الملائكة يدعون ويستغفرون لمن في  
الارض وذالك منفعة بعمل الغير و ايضاً عنه تعالى يخرج طائفة من  
النار ممن لم يعمل خيراً قط بمحض رحمة وهذا انتفاع من غير  
سعيهم و ايضاً اولاد المؤمنين يدخلون الجنة بعمل اباائهم وذالك  
انتفاع بمحض عمل الغير وكذاك الميت ينتفع بالصدقة منه  
وبالعتق عنه بنص السنة والاجماع وهو من عمل غيره وانه يسقط  
الحج المفروض عن الميت بحج وليه عنه بنص السنة وكذا تبرء ذمة  
الانسان من ديون الخلق اذا قضاهما عنه قاض وذالك انتفاع بعمل  
الغير وكذاك الصلة والدعاء له فيها ينتفع بها الميت وهي من  
عمل الغير ونظائر ذلك كثيرة لاتحضرني“.

جس کا یہ عقیدہ ہو کہ انسان کو اپنے ذاتی عمل کے سوا اور کسی چیز سے کوئی نفع نہ ہو گا وہ امت کے اجماع کے مخالف ہے کیونکہ ساری امت کا ان چند اصولوں پر اتفاق ہے انسان کو دوسروں کی دعا سے فائدہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ غیر ہی کے عمل سے انتفاع کی صورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ حساب چکانے کے لیے تمام اہل محشر کی سفارش فرمائیں گے۔ نیز مستحقین جنت کے حق میں داخل جنت کی اور بہت سے بڑے گناہگاروں کیلئے دوزخ سے نکالنے کی بھی شفاعت فرمائیں گے اور ظاہر ہے کہ لوگوں کا آنحضرتؐ کی اس شفاعت سے بہرہ ان دوزخ ہونا دوسرے ہی کی سعی سے نفع کی صورت ہے۔ علی ہذا مختلف لوگوں کے لیے دیگر انبیاء و صالحین کا شفاعت کرنا بھی ایک مسلمہ مسئلہ ہے اسی طرح اس دنیا کے مسلمانوں کے لیے ملائکہ کا دعا و استغفار کرنا اور اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچنا (جو ثابت شدہ امر ہے) انتفاع بعمل الغیر ہی کی ایک جزئی ہے۔ نیز (احادیث کثیرہ کی بنیاد پر) یہ بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنی رحمت سے کچھ ایسے لوگوں کو بھی دوزخ سے نکالے گا جن کے پاس (بجز ادنیٰ درجہ ایمان کے) کوئی نیک عمل نہ ہوگا اور بلاشبہ یہ بھی اپنی ذاتی سعی و عمل کے سوا سے ہی انتفاع کی صورت ہے ایسے ہی یہ بھی مسلمات میں سے ہے کہ اہل ایمان کے بچے بھی اپنے والدین کے نیک اعمال کی وجہ سے ان کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور یہ بھی غیر ہی کے عمل سے انتفاع ہوا۔ اسی طرح اگر میت کی طرف سے صدقہ خیرات کیا جائے یا غلام آزاد کیا جائے تو اسکا نافع ہونا بھی سنت صریحہ ثابتہ اور اجماع سے ثابت ہے۔ نیز میت کی طرف سے اگر اس کا ولی حج کر دے تو میت کی جانب نے حج کا ادا ہو جانا بھی سنت صریحہ سے معلوم ہوا ہے۔ ایسے ہی کسی آدمی پر قرض ہو اور اس کی طرف سے کوئی دوسرا ادا کر دے تو مدیون کی طرف سے ادا ہو جانا اور اس کا بربی ہو جانا بھی شریعت اسلامیہ میں ایک ثابت شدہ مسئلہ اور امت کا مسلمہ ہے اور یہ بھی دوسروں ہی کے سعی و عمل سے انتفاع ہوا۔ پھر اس سب کے علاوہ مردوں پر نماز جنازہ

پڑھنا اور اس میں ان کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کرنا اور ان کے حق میں اس کا نافع ہونا ایک مسلمہ امر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بھی دوسروں ہی کے عمل سے انتفاع کی صورت ہے اور ان کے علاوہ بھی اس کی بہت سی نظریں ہیں جن کو شمار بھی نہیں کیا جاسکتا۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؓ کی اس عبارت سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ منکرین ایصال ثواب کا یہ اذ عا کہ ”انسان کو اپنے ذاتی سعی و عمل کے سوا کسی اور چیز سے مطلقاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا“، دین کے کتنے مسلمہ مسائل کے خلاف ہے جن میں سے بعض نصوصِ قرآن سے اور بعض سنت و اجماع سے ثابت ہیں پھر اپنی اس خوش فہمی کو قرآن مجید کے سرمنڈھنا ان کی کتنی خطرناک جسارت ہے۔ درحقیقت جن آیات کی طرف وہ اس مضمون کو منسوب کرتے ہیں ان کا صحیح مطلب اور مفاد وہی ہے جو اور پر عرض کیا گیا۔ جس کے بعد ادله شرعیہ میں کوئی تصاداً اور تدابع نہیں رہتا۔

واضح رہے کہ یہ آیات جن سے منکرین ایصال ثواب استناد کرتے ہیں ان کے متعلق جو کچھ اور پر عرض کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ ( بلکہ ان میں سے بعض تو بشهادت سیاق و سباق صرف عذاب و سزا ہی کے پہلو سے ہے) لیکن بخوف طوالت یہاں ہم نے اس قسم کی تمام تفصیلات سے صرف نظر کر کے اتنی ہی جوابی بحث کو کافی سمجھا ہے۔

### ایک عقلی مغالطہ

آخر میں منکرین کے ایک عقلی مغالطہ کا ذکر کر کے اور اس کا جواب دے کے اس بحث کو ہم ختم کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ خود کوئی نیک عمل کر کے اس کا ثواب دوسرے کو پہنچانا ایسا ہی ناقابل فہم اور غیر معقول ہے جیسا کہ خود کھانا کھا کے اللہ سے یہ عرض کرنا کہ جو کھانا میں

نے کھایا ہے اس سے فلاں بھوکے کا پیٹ بھر جائے یا سردی کے موسم میں خود گرم کپڑے اوڑھ کے یہ کہنا کہ ان کپڑوں کی گرمی فلاں ننگے شخص تک پہنچ جائے۔

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ نہایت ہی عامیانہ سفط ہے۔ اگر اس مادی عالم میں اس کی مثال تلاش کرنی ہے تو سیدھی مثال یہ ہے کہ ایک شخص صحیح سے شام تک خود محنت کرتا ہے اور جو مزدوری اس کو حاصل ہوتی ہے وہ بجائے اپنے اوپر ہی خرچ کرنے کے کسی اور کوڈے دیتا ہے یا اپنی آمدنی سے کسی دوسرے بے چارہ کا قرضہ ادا کر دیتا ہے یا خود محنت کر کے کھانا تیار کرتا ہے اور کسی دوسرے صاحب حاجت کو کھلا دیتا ہے۔ فرمائیے اس میں کیا علمی اشکال ہے؟ بلکہ احادیث میں اسی قسم کی مثالوں سے اس مسئلہ کو سمجھایا گیا ہے۔

اور اگر ان حضرات کو اس پر اصرار ہو کہ نہیں، نیک اعمال اور جزائے اخروی کی مثال بس کھانا کھانے اور اس سے لذت اندوز ہونے اور شکم سیر ہو جانے کی ہی ہے۔ تو پھر مسئلہ ایصال ثواب کے علاوہ میت کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کا بھی ان حضرات کو انکار کرنا پڑے گا۔ بلکہ اس کو بھی غیر معقول اور غلط ماننا ہو گا۔ کیونکہ اس نظریہ کی بنیاد پر کسی میت کے لیے دعاء مغفرت اور استدعا، رحمت کی مثال یہ ہو گی کہ کسی بھوکے کو کھانا تو دیا نہ جائے اور خدا سے بس یہ دعا کی جائے کہ بغیر کھانے کے تو اس کا پیٹ بھردے اور جاڑے کے زور سے کیکپاتے ہوئے کسی غریب آدمی کے لیے خدا سے عرض کیا جائے کہ بغیر کپڑے کے تو سردی سے اس کی حفاظت فرم۔ اور گرمائی پہنچا دے۔ پس ظاہر ہے کہ جس طرح خود کھانا کھا کر اور خود گرم کپڑے پہن کر اللہ سے یہ عرض کرنا غیر معقول ہے کہ اس کھانے اور کپڑے کا اثر فلاں بھوکے یا ننگے کو پہنچ جاوے، اسی طرح اس اصول پر یہ بھی غیر معقول ہے کہ اللہ سے پہاچا کی جائے کہ فلاں بھوکے اور ننگے کا بغیر کھانے کے پیٹ بھر جائے اور بغیر کپڑوں کے وہ سردی کی تکلیف سے بچ جائے کیونکہ آپ حضرات کے نزدیک اس تمثیل میں ”عمل“ کا مقام

وہی ہے جو اس عالم میں کھانے کپڑے کا ہے اور آخرت کا ثواب آپ حضرات کے نزدیک لذتِ طعام، شکم سیری اور کپڑوں سے حاصل ہونے والی راحت کی طرح ہے۔ یہ جواب تو ان ہی حضرات کے اصول اور انہی کے طرز پر دیا گیا ہے، لیکن اصل بات یہ ہے کہ ان تفصیلات میں عالم آخرت کو اس مادی عالم پر قیاس کرنا اور اس کو شرعی فیصلوں کی بنیاد بنا نا سرے ہی سے غلط اصول ہے۔ ہاں شرعی دلائل سے کسی مسئلہ کا فیصلہ ہو جانے کے بعد اگر اس قسم کے قیاسی اطائف سے بھی اس کو مزید تائید دکھائی جائے تو مضافات نہیں اور ہم عرض کر چکے کہ اس مادی عالم میں ایک شخص کا اپنی محنت اور اپنی کمائی سے دوسروں کی مدد کرنا ”ایصال ثواب“ کی واضح نظریہ ہے۔ بلکہ اب تو آنکھیں یہ بھی دیکھ رہی ہیں کہ ایک شخص اپنی پیدا کردہ دولت سے اچھی غذا میں کھاتا اس سے عمدہ خون پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے کسی بیمار اور ضعیف محسن یا دوست یا عزیز کو ڈاکٹر کا مشورہ ہوتا ہے کہ کسی طاقتو رآدمی کا خون تمہارے جسم میں داخل کیے جانے کی ضرورت ہے یہ تندرست شخص اپنے کو پیش کر دیتا ہے اور ڈاکٹر اس کی کسی رگ میں سے بہترین خون لے کر اس کے اس بیمار محسن یا دوست یا عزیز کی رگوں میں پہنچا دیتا ہے اور اس سے اس میں تو انائی آ جاتی ہے، تو اگر ایصال ثواب کے لیے اس مادی عالم ہی میں مثال تلاش کرنی ہے تو یہ بھی اس کی ایک اچھی مثال ہو سکتی ہے لیکن واضح رہے کہ بس سمجھنے کے لیے یہ ایک مثال ہی ہو گی نہ کہ مسئلہ کی دلیل اور بنیاد۔

زندوں کی جانب سے اموات کی نفع رسانی اور ”ایصال ثواب“ کے متعلق اس مقالہ میں جو کچھ لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ سب بحمد اللہ لکھا جا چکا۔ شروع میں بھی عرض کیا گیا اصولی مسئلہ ایصال ثواب کی حمایت ہے جو جمہورامت کا ہمیشہ سے ایک متفقہ نظریہ رہا ہے اور دلائل شرعیہ سے جس کے ثبوت میں ہمارے نزدیک کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ لیکن اس ایصال ثواب کی بنیاد پر تیجہ، ساتواں، دسوائیں، چالیسوائیں،

شما، ہی، گیارہو یں بارہو یں، برسی، عرس، جمعراتی فاتحہ وغیرہ وغیرہ رسوم کی شل میں جو ایک مستقل "شریعت" اہل ہوئی وہوں نے دوسری قوموں کی دیکھادیکھی تراش لی ہے ان کے غلط بلکہ بدعت و معصیت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ ان خرافات کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

علی ہذا یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دین سے ایصال ثواب کی ہرگز ہرگز وہ اہمیت ثابت نہیں جو اس کو آج کل نہیں بلکہ صدیوں سے مسلمانوں نے دنے رکھی ہے۔ ہمیشہ کے لیے ہر چیز کا وہی مقام رہنا چاہیے جس میں عہد نبوی اور دور صحابہ میں اس کو رکھا گیا تھا۔ اب کیفیت یہ ہے کہ "ایصال ثواب" مسلمانوں کا قریباً آدھا دین بن کے رہ گیا ہے۔ دین کے سینکڑوں مہماں سے انہیں وہ دل چھپی نہیں جو بزرگوں اور عزیزوں قریبوں کے ایصال ثواب سے ہے۔ عوام کے علاوہ بہت سے وہ بھی جو خواص سمجھے جاتے ہیں اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ بلکہ میرا تو خیال ہے کہ "ایصال ثواب" کے اصول ہی سے انکار کا جو رجحان زمانہ حال کے بہت سے نئے طرز کے پڑھے لکھے مسلمانوں میں پیدا ہو رہا ہے وہ "ایصال ثواب" میں اس افراط اور غلو ہی کا رد عمل ہے۔ اس لیے زیادہ توجہ کے قابل اور زیادہ اصلاح کا محتاج "ایصال ثواب" میں غلو کرنے والوں ہی کا طرز عمل ہے کہ انہی کا افراط اس تفریط کی پیدائش کا سبب بن رہا ہے۔

اللهم اهدنا البصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم  
غير المغضوب عليهم ولا الضالين ۝ آمين.

# تحقیق مسئلہ ایصال ثواب

از مناظر اسلام و کیل احناف حضرت مولانا محمد امین صندر او کا ٹروی رحمۃ اللہ علیہ  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

## شوق تحقیق

ایک صاحب نے اپنی داستان یوں بیان کی کہ میں اہل سنت کے گھرانہ میں پیدا ہوا۔ اس گھر میں آنکھیں کھولیں کہ والدین، بہن بھائیوں سب کی زبان پر دین کے چرچے تھے۔ نماز کی پابندی اور قرآن پاک کی تلاوت تو گویا ورشہ میں ملی۔ سکول کی تعلیم شروع ہوئی۔ جب میں نے ڈل پاس کیا اور نویں جماعت میں داخلہ لیا تو ایک استاد صاحب نے جو میری نماز کی پابندی کو دیکھا تو مجھ پر زیادہ شفقت فرمائے گئے۔ مجھے زیادہ دینی مطالعہ کا شوق دلانے لگے اور فرمانے لگے کہ اب تو تعلیم یافتہ ہے۔ دنیاوی معاملات میں بھی تجھے اچھے بڑے کی کچھ شدھ بدھ ہو گئی ہے۔ دین میں بھی تحقیق کرنی چاہئے۔ وہ صاحب اپنے آپ کو اہل حدیث کہتے تھے۔ ان کی محنت اور کوشش سے میرے دل میں جذبہ تحقیق بیدار ہو گیا اور میں اس پر آمادہ ہو گیا۔

## نمذمت اختلاف

استاد صاحب نے فرمایا کہ آج مسلمان اختلافات کا شکار ہیں۔ ان اختلافات نے امت کوتبا ہی کے گڑھے میں پھینک دیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ ہم سب کا خدا ایک نبی ایک، قرآن ایک، قبلہ ایک پھر یہ اختلافات کیوں؟ کہ کوئی حنفی ہے کوئی شافعی، کوئی مالکی ہے کوئی حنبلي، چاروں اماموں نے امت میں پھوٹ ڈال دی، اختلافات پیدا کر دیئے۔ ان اختلافات نے ہماری مسجدیں الگ کر دیں، ہمارے مدرسے الگ کر دیئے، ہمارے فتاوی الگ کر دیئے۔ ہمیں چاہیئے کہ ان سب اختلافات کو چھوڑ کر ایک نبی پر جمع ہو جائیں اور اہل حدیث ہو جائیں۔

اگر جنت میں جانے کا ارادہ ہوتا می کا  
گلے میں پہن لو کرتے محمدؐ کی غلامی کا  
میں نے استاد صاحب سے پوچھا کہ کیا یہ سب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلي  
حضرت محمد ﷺ کے غلام نہیں ہیں؟

استاد صاحب نے فرمایا: تحقیق یہی ہے کہ یہ چاروں مذاہب حضور  
اقدس ﷺ کی غلامی چھوڑ کر، ان کی اتباع سے منہ موڑ کر اماموں کی تقیید کرتے ہیں۔  
میں نے پوچھا، کیا یہ چاروں مذاہب والے خدا کو معبد نہیں مانتے؟ نبی پاک ﷺ کو  
رسول اور آخری نبی نہیں مانتے؟ آخر میں حنفی ہوں اور یہ سب مانتا ہوں۔ انہی سے  
میں نے قرآن پڑھا، انہی سے خدا کی بندگی کا طریقہ سیکھا اور وہ تورات دن ہمیں یہی  
یاد کرواتے ہیں کہ لا اله الا الله ہمارا مقصد زندگی ہے اور محمد رسول الله ہمارا  
طریق زندگی ہے۔ اور دونوں جہانوں کی کامیابیاں نبی پاک ﷺ کی پاکیزہ سنتوں  
کو زندہ کرنے، ان کو اپنانے اور ان کو امت میں پھیلانے میں ہیں۔

استاد صاحب نے فرمایا کہ وہ لوگ دھوکے میں پڑ گئے ہیں، اختلافات میں  
پھنس گئے ہیں، یہ سب ان کے زبانی دعوے ہیں۔ نبی ﷺ کو چھوڑ کر یہ کام کرنا نیکی  
بر باد، گناہ لازم کا مصدقہ ہے۔ الغرض استاد صاحب نے ائمہ مجتہدین کا بغض میرے  
دل میں کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔ ائمہ کے نام سے مجھے نفرت ہو گئی۔ تقیید ائمہ کو بدعت اور  
شرک باور کر لیا۔ آخر ان اختلافات کی دلدل سے نکل کر میں ابل حدیث ہو گیا۔ اب  
میرے دل کی دنیا ہی بدل گئی۔ وہی گھر جس میں میں نے قرآن سیکھا تھا، جہاں نماز  
سیکھی تھی، جہاں ہر وقت ذکر و فکر ہوتا تھا، اب مجھے کفر و شرک کا گہوارہ نظر آتا تھا۔ مجھے  
یقین ہو گیا تھا کہ میرے ماں باپ، بہن بھائی، استاد، احباب سب کے سب دوزخی  
ہیں۔ نبی پاک ﷺ کی سنت سے باغی ہیں۔ نہ ان کو تلاوت کا ثواب ملے گا، نہ ان  
کی نماز قبول ہو گی، نہ ان کے کلمے کا اعتبار ہے۔

## عجیب کشمکش

مجھے دینی مطالعہ کا شوق ہو گیا تھا۔ استاد صاحب بھی مجھے کتابیں دیتے لیکن وہ میرے شوق مطالعہ سے کم ہوتیں۔ میں نے سکول کی لائبریری کا رخ کیا۔ مجھے شوق تھا کہ میں ان اکابر مسلمانوں کی سیرت کا مطالعہ کروں جن کے ذریعہ اسلام دنیا میں پھیلا۔ لیکن میں جس محدث جس مفسر، جس مجاہد اسلام، جس فقیہ، جس خلیفہ اسلام کے ہوتے تھے کوئی حقیقت نکلتا، کوئی شافعی تو کوئی مالکی اور کوئی حنبلی۔ اب نہ مجھے گھر حالات کا مطالعہ کرتا وہ کوئی حقیقت نکلتا، کوئی شافعی تو کوئی مالکی اور کوئی حنبلی۔ میں بعض اوقات میں اسلام نظر آتا، نہ مسجد میں، نہ مدرسے میں، نہ کتب تاریخ میں۔ میں بعض اوقات بہت گھبرا جاتا۔ استاد صاحب سے پوچھتا کہ استاد جی یہ تاریخی شخصیات تو سب مقلدین ہیں۔ استاد صاحب بعض کے بارے میں تو اعتراف فرماتے کہ وہ واقعی مقلد ہیں لیکن بعض کے بارے میں وہ فرمادیتے کہ فلاں فلاں محدث تقلید مجتہدین کو بدعت و شرک کہتا تھا۔ میں عرض کرتا کہ تاریخ تو ان کو مقلد کہتی ہے۔ آپ بھی کسی مسلمہ تاریخ کے حوالے سے دکھائیں کہ صحاح ستہ والے تقلید ائمہ کو شرک و بدعت کہتے تھے۔ استاد صاحب کوئی حوالہ تو نہ دکھاتے، فرماتے کہ یہ تاریخ قابل اعتماد نہیں، صرف قرآن و حدیث کی بات مانی چاہیئے۔ کوئی شخص ”قرآن و حدیث“ سے صحاح ستہ والوں کا مقلد ہونا ثابت نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا کہ ”قرآن و حدیث“ سے تو ان کا غیر مقلد ہونا بلکہ محدث یا مسلمان ہونا بھی ثابت نہیں۔ استاد جی فرماتے دیکھو ان باتوں کو چھوڑو، تم شرک کرو اختلافات سے بچ گئے ہو۔ چونکہ اختلاف کے لفظ سے مجھے چڑھو گئی تھی اور اختلاف ڈالنے والوں سے بھی چڑھتی خواہ وہ ائمہ مجتہدین ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لئے استاد صاحب کے سامنے میں خاموش ہو جاتا کہ انہوں نے مجھے اختلافات کے جہنم سے نکالا ہے۔ یہ واقعی بہت بڑا کارنامہ ہے کہ مجھے اتحاد کی نعمت نصیب ہوئی۔ تقلید کی بدعت بلکہ شرک سے تو بہ نصیب ہو گئی یہ سب استاد محترم ہی کا فیض ہے۔ یہی بات میرا سب سے بڑا سہارا تھی۔ اس سے بے چین دل کی ڈھارس بند ہ جاتی۔

اختلاف رائے سے آپ فتح کر کہاں جاسکتے ہیں۔ کیا محدثین میں احادیث کے صحیح یا ضعیف، مرفوع یا موقوف ہونے میں اختلاف، راویوں کے ثقہ و ضعیف ہونے میں اختلاف نہیں؟ محدثین تو بہت سے ہیں لیکن اگر صرف صحاح ستہ والوں کا ہی اختلاف دیکھا جائے تو آپ چارائیہ کے اختلاف سے ڈر کر بھاگے مگر کم ازکم چھ کے اختلاف میں پھنس گئے اور اس پر بھی آپ نے غور نہیں فرمایا کہ حنفی اور شافعی دو مذہب ہیں ان میں آپ کو اختلاف برداشت نہیں مگر نام نہاد اہل حدیث میں تو آپس میں بھی اختلافات ہیں۔ ایک ہی فرقہ میں اختلافات تو اور زیادہ قابل نفرت ہونے چاہئیں۔ اس نے کہا ایسا تو نہیں کہ اہل حدیث میں آپس میں اختلافات ہوں۔ اس نے کہا آپ اپنا مطالعہ وسیع کریں چند اختلافات ملاحظہ ہوں۔

(۱) (الف) اگر سونا بھی مکمل نصاب نہ ہو، اور چاندی بھی مکمل نصاب نہ ہو، اور دونوں کی قیمت مل کر نصاب کے برابر ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔  
ابو الحسن میاں نذر یہ حسین۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۸۵ ج ۷)

(ب) سونے اور چاندی کو ایک جگہ ملا کر زکوٰۃ نہیں دینی ہوگی بلکہ ایسی صورت میں زکوٰۃ معاف ہوگی۔ مولانا محمد یونس محدث مدرس مدرسہ نذر یہ حسین۔ (فتاویٰ علمائے حدیث ص ۸۶، ۸۸ ج ۷)

(ج) اس بارے میں حضور ﷺ سے کچھ مروی نہیں۔  
(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۹۷ ج ۱)

(۲) زیور مستعملہ پر زکوٰۃ فرض ہے۔ (شرف الدین) واجب نہیں۔  
(شاء اللہ) فتاویٰ علمائے حدیث ص ۹۶، ۹۵ ج ۷)

(۳) مال تجارت پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ (عرف الجادی) فرض ہے۔  
(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۶۷ ج ۷)  
(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۸۷ ج ۷) تعمیر مسجد پر زکوٰۃ نہیں لگ سکتی۔

(ایضاً ص ۲۲۱ ج ۷)

تعیر مساجد میں صرف کرنا درست ہے۔

جو اہل حدیث امام عبدالستار کو زکوٰۃ نہ دے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (۵)

(فتاویٰ ستاریہ) امام عبدالستار کو زکوٰۃ وصول کرنا قطعاً ناجائز و حرام ہے۔

(فتاویٰ علمائے حدیث حدیث ص ۲۶۳ ج ۷)

(فتاویٰ علمائے حدیث حدیث ص ۲۷۵ ج ۷)

کافر کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔ (۶)

(ایضاً ص ۲۹۱ ج ۷)

کافر کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

(ایضاً ص ۲۵۶ ج ۷)

تملیک زکوٰۃ میں لازم ہے۔ (۷)

(ایضاً ص ۲۳۳ ج ۷)

ضروری نہیں۔

عشر صرف زمیندار اور مزارع پر ہے۔ (لوہار، ترکھان، حمام، دھوپی پر بعد

نصاب بھی فرض نہیں) (ص ۱۳۶ ج ۷)

لوہار، ترکھان وغیرہ کے دانے نصاب کو پہنچ جائیں تو ان پر بھی عشر فرض ہے۔

(ص ۱۳۶ ج ۷)

سیونگ بینک کا سود مولوی عبد الواحد غزنوی جائز کہتے ہیں۔ (ص ۳۰۵ ج ۷)

بعض غیر مقلد حرام کہتے ہیں۔

حرام مال و قسم پر ہے۔ ایک کا حصول بالرضا ہوتا ہے جیسے زنا کی اجرت، جوئے کا نفع وغیرہ، دوسرا باجبر جیسے چوری، ڈاکہ وغیرہ۔ پہلی قسم کے بارے میں بعض علماء (اہل حدیث) کا عقیدہ ہے کہ توبہ کے بعد حلال ہو جاتا ہے، دوسری قسم کے متعلق نہیں۔ (ص ۲۷۲ ج ۷ مولانا شناۃ اللہ امرتسری)

پہلی قسم کے متعلق بعض علماء کا عقیدہ کہ بالکل باطل ہے، قطعاً حرام ہے،

حلت کی کوئی دلیل نہیں۔

ویکھئے یہ صرف مالی معاملات کے بارے میں ایک ہی فرقہ اہل حدیث کے بطور مثال دس اختلافات ذکر کئے ہیں۔ اب یہ جھوٹ بولنا کہ اہل حدیث ہونے کے

بعد اختلافات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس سے توبہ لازم ہے۔ اہل حدیث نے تو اختلافات بڑھادیئے ہیں۔

## محمدی کون؟

میں نے کہا کہ حنفی محمدی تو نہیں؟ اس نے کہا کہ حنفی تو ڈبل محمدی ہیں کیونکہ جس بنی گاہلہ پڑھتے ہیں وہ بھی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں اور رسول پاک ﷺ کی شریعت پاک کی جو جامع تشريع حضرت امام اعظم ابوحنیفہؓ نے فرمائی اس کے مرتب کرنے والے بھی امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔ آپ ایک میسرک کے طالب علم ہو کر یہ کہہ رہے ہیں کہ حنفی محمدی نہیں جب کہ آپ کی جماعت کے شیخ الاسلام مولانا شناء اللہ امرتسری تو مرزا یوسوں کو بھی محمدی مانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ”اسلامی فنوں میں خواہ کتنا ہی اختلاف ہو مگر آخر کار نقطہ محمدیت پر جو درج ہے والذین معہ کا سب شریک ہیں۔ اس لئے گوان میں باہمی سخت شقاق ہے مگر اس نقطہ محمدیت کے لحاظ سے ان کو باہمی رحماء بینهم ہونا چاہیئے۔ مرزا یوسوں کا سب سے زیادہ مخالف میں ہوں مگر نقطہ محمدیت کی وجہ سے ان کو بھی میں اس میں شامل سمجھتا ہوں“۔ (اذبار اہل حدیث امرتسری ۱۹۱۵ پریل ۱۹۱۶ء)

## کفر و شرک سے نفرت

میں نے کہا چونکہ اہل حدیث حضرات راث دن احتاف وغیرہ مقلدین پر کفر و شرک کے فتوے لگاتے رہتے تھے، چلو اہل حدیث ہو گیا تو ان فتووں سے تو پچ جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ آپ تو بہت ہی بھولے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کو کس نے کہا کہ پھر یہ فتوے نہیں لگیں گے۔ آپ نے مولانا شناء اللہ صاحب امرتسری کا نام سن رکھا ہے؟ میں نے کہا کیوں نہیں وہ تو اس فرقہ کے شیخ الاسلام تھے، شیر اسلام اور مناظر اسلام تھے۔ اس نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اہل حدیث ان پر فتویٰ کفر لگوانے کے لئے حر میں شریفین گئے تھے۔ فیصلہ مکہ، فیصلہ حجاز یہ پڑھ کر دیکھیں کہ ان کو فرعون سے

ہر کافر ثابت کیا ہے اور جماعت غرباء اہل حدیث کو دوسرے اہل حدیثوں نے مکہ کے کافروں سے بدتر کافر قرار دیا ہے۔ مولانا عبد اللہ روپڑی پر خود اہل حدیثوں نے لفر کے فتوے صادر فرمائے ہیں۔ اب ان میں سے ایک فرقہ مسعودی نکلا ہے جو اپنے اپ کو جماعت المسلمين کہتا ہے اور باقی سب اہل حدیثوں کو غیر مسلم قرار دیتا ہے۔

اب میں حیران تھا کہ مجھے اختلافات سے بچانے کا جھانسہ دے کر بڑے اختلافات میں دھکیل دیا ہے۔ میں صحابہؓ سے کٹ گیا، ائمہ مجتہدین سے باغی ہو گیا، اولیاء اللہ کا رکش ہو گیا اور تقلید مجتہدین سے ہٹا کر مجھے اپنی تقلید پر لگالیا۔ گویا اہل کی تقلید سے ایسا یا اور نہ اہل کی تقلید کا طوق میری گردن میں ڈال دیا۔ اگر میں سب سے کٹ کر انہی کے ساتھ رہتا تو بھی بات تھی۔ اب میں ان کا بھی نہ رہا۔ آپ مجھے مولانا وحید الزمان کی کتاب نزل الابرار سنا کر دیکھیں، میں اس پر کتنی لعنتیں بھیجا ہوں۔ آپ نواب سدیق حسن خاں کی بدوار الاحله سنا کر دیکھیں کہ میں اسے کتنی صلوٰاتیں سناتا ہوں، آپ میر نور الحسن کی عرف الجادی سنائیں اور اس کے خلاف میری زبان درازی سن ل۔ اب وہ میر ادوسٹ تو جا چکا تھا اور میں بیٹھا سونچ رہا تھا کہ یا اللہ! وہ جو محاورہ سن لھا تھا، نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔ وہی حال میرا ہو گیا ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم

نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

اسی ادھیر بن میں دن گزر رہے تھے کہ میں نے کالج میں داخلہ لے لیا۔ اب تعلیم بھی بلند ہو رہا تھا اور اپنی سابقہ تحقیق پر بہت پریشان بلکہ پشیمان تھا۔ سوچا ہے معیار تحقیق بھی بلند کرنا چاہئے۔ اب میر ارجمند زیادہ تر تلاوت قرآن کی طرف میں کالج کی تعلیم سے وقت نکال کر قرآن پاک کی تلاوت کرتا اور اس کے ترجمہ و سیر پڑھنے کا شوق دل میں انگڑایاں لینے لگا۔

# اہل قرآن

کالج میں ہمارے ایک پروفیسر صاحب تھے۔ مجھے قرآن پاک کی تلاوت کرتے دیکھتے۔ ایک دفعہ پوچھنے لگئے تم کس فرقے سے تعلق رکھتے ہو۔ میں نے کہا میں اہل حدیث ہوں۔ انہوں نے کہا میں بھی پہلے اہل حدیث ہی تھا مگر جب میں نے قرآن پاک کا مطالعہ کیا تو میرا دل اہل حدیث کے اختلافات سے اچاٹ ہو گیا۔ اگرچہ علماء اہل حدیث نے مجھے مطمئن کرنے کی بہت کوشش کی لیکن میں اس نتیجے پر پہنچا کہ وہ خود ہی اپنے مسائل پر مطمئن نہیں تھے کسی دوسرے کو کیسے مطمئن کر سکتے تھے۔ آخر میں قرآن کی طرف آگیا اور اہل قرآن بن گیا۔ آپ بھی ان کے لئے پیچر کا مطالعہ کریں، سب اختلافات اور پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ پروفیسر صاحب نے مجھے دو کتابیں عنایت فرمائیں۔ یہ دونوں کتابیں جناب غلام احمد پرویز صاحب کی لکھی ہوئی تھیں۔ ایک کا نام تھا ”قرآنی فیصلے“ اور دوسری کا نام تھا ”مقام حدیث“ میں بڑا خوش ہوا۔ معمول کے مطابق قرآن پاک کی تلاوت سے فارغ ہو کر مطالعہ شروع کیا۔

## تلاوت قرآن کریم

اس میں لکھا تھا: ”یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے ثواب ملتا ہے یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ درحقیقت عہد سحر کی یادگار ہے۔“ (قرآنی فیصلے ص ۱۰۲)

میں تو سرپکڑ کر بیٹھ گیا کہ یہ جو سب مسلمان رات دن قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں ان کو تو کچھ بھی ثواب نہ ملا۔ میں نے صحیح پروفیسر صاحب سے عرض کیا کہ جناب یہاں تو لکھا ہے کہ قرآن پاک کی تلاوت بلا معنی سمجھے کرنا عبث ہے۔ میں تو بہت تلاوت کرتا ہوں اور اپنے ہدایوں کو ثواب بھی بخشا ہوں۔ یہ تو سارا کام ہی خراب ہو گیا کیونکہ جب مجھے ہی ثواب نہ ملا تو آگے کیا پہنچے گا۔ پروفیسر صاحب مسکرا کر فرمانے لگے کہ یہاں تو سرے سے ثواب ہی نہیں ملا۔ اگر کسی کام پر ثواب مل بھی جائے تو بھی اس کا ثواب کسی کو نہیں پہنچتا۔

## یصال ثواب

اس سے آپ نے دیکھ لیا ہوگا کہ الیصال ثواب کا عقیدہ کس طرح مکافاتِ مل کے اس عقیدہ کے خلاف ہے جو اسلام کا بنیادی قانون ہے۔ خدا جانے اس قوم نے کہاں کہاں سے ان عقائد کو پھر سے لے لیا جنہیں مٹانے کے لئے قرآن آیا تھا اور اس صورت میں جب کہ خود قرآن اپنی اصلی شکل میں ان کے پاس موجود ہے، اس سے بڑا تغیر بھی آسمان کی آنکھ نے کم ہی دیکھا ہوگا۔ (قرآنی فیصلے ص ۹۸) میں نے پروفیسر صاحب سے عرض کیا کہ جناب میں تو چاہتا ہوں کہ اختلافات کی دلدل سے نکل جاؤں، اس بارے میں میری رہنمائی فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اختلافات سے بچنے کا ایک ہی حل ہے کہ آدمی اہل قرآن بن جائے۔ دیکھو کوئی فقہ کا مسئلہ پیش کرے تو سوال ہوتا ہے کہ یہ مفتی بے یعنی مضبوط قول ہے یا غیر مفتی بے یعنی ناقابل عمل۔ اسی طرح حدیث پر فوراً یہ سوال اٹھتا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف؟ کوئی صحیح کہے گا کوئی ضعیف اور اختلاف مت نہیں سکے گا۔ ہاں قرآن پاک کی کسی ایک آیت کے بارے میں بھی آپ نہیں سنیں گے کہ اسے کوئی ضعیف کہے۔ اس لئے کوئی اختلاف ہی نہیں ہوگا۔

## انکار حدیث

پروفیسر صاحب نے بات جاری رکھتے ہوئے پروفیسر صاحب کا ایک اقتباس پیش فرمایا کہ ”مسلمانوں کو قرآن سے دور رکھنے کے لئے جو سازش کی گئی اس کی پہلی کڑی یہ عقیدہ پیدا کرنا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو اس وحی کے علاوہ جو قرآن میں محفوظ ہے ایک اور وحی بھی دی گئی تھی جو قرآن کے ساتھ بالکل قرآن کی ہم پلہ (مثلہ معہ) ہے۔ یہ وحی روایات میں ملتی ہے۔ اس لئے روایات عین دین ہیں۔ یہ عقیدہ پیدا کیا اور اور ساتھ ہی روایات سازی کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے روایات کا ایک انبار جمع ہو گیا..... اس طرح اس دین کے مقابل جو اللہ نے دیا تھا ایک اور دین

مدون کر کے رکھ دیا اور اسے اتباع سنت رسول اللہ ﷺ قرار دے کر امت کو اس میں  
الجھادیا۔ (مقام حدیث ص ۲۲۱ ج ۱) آگے چل کر لکھتے ہیں: ”بہر حال جھوٹ پہلی سازش  
کے تحت بولا گیا یا بعد میں الہیان مسجد نے نیک کاموں کے لئے اس جھوٹ کی جمایت  
کی۔ نتیجہ دونوں کا ایک ہے یعنی یہ جھوٹ مسلمانوں کا مذہب بن گیا۔ وحی غیر متوافق  
نام رکھ کر اسے قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل ٹھہرایا گیا۔ (مقام حدیث ص ۲۲۲ ج ۲)  
پروفیسر صاحب نے فرمایا کہ دیکوا ایک عربی قرآن جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل  
تھا، چونچی قرآن بنا کر ان کا نام صحاح ستہ رکھ لیا گیا، یہی احادیث تمام اختلافات کی  
بنیاد ہیں۔ ان کو چھوڑے بغیر اتفاق اور اتحاد! ایس خیالست محالست و جنوں۔ اس لئے  
اتفاق اور اتحاد کی ایک ہی صورت ہے کہ صرف قرآن کو مانو اور بس۔

### کیا مطالب میں اتفاق ہے؟

میں نے پروفیسر صاحب سے عرض کیا کہ کیا قرآن پاک کے الفاظ میں  
قرأتوں کا اختلاف نہیں۔ فرمائے گئے ہاں سات یا دس متواتر قرأتیں ہیں، ان  
میں اختلاف بھی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جناب میں چار اماموں کے اختلاف  
سے بچنے کے لئے اہل حدیث ہوا تھا لیکن وہاں کم از کم صحاح ستہ کے چھ اماموں  
کے اختلاف میں جا پھنسا، اب آپ سات یا دس کے اختلاف کی دعوت دے  
رہے ہیں۔ یہ تو الفاظ کی بات تھی، رہے قرآن سے جو مسائل اہل قرآن نے اخذ  
کئے ہیں کیا سب قرآن کو مانے والے مسلمان ان مسائل میں آپ کے ساتھ متفق  
ہیں؟ مثلاً آپ کے پروفیسر صاحب کہتے ہیں کہ اللہ و رسول کی اطاعت سے مراد  
مرکز ملت (Central Authoriy) اور اول والا مر سے مراد افسران ماتحت ہیں۔  
(معارف القرآن ص ۶۲۳ ج ۲) اور رسول کو قطعاً حق نہیں کہ اپنی اطاعت کروائے۔  
(معارف القرآن ص ۶۱۶ ج ۲) اور ختم نبوت کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اب انسانوں کو صرف

اصولی رہنمائی کی ضرورت ہے ان اصولوں کی روشنی میں وہ تفصیلات خود متعین کریں گے۔ (سلیم کے نام ص ۲۰۳ ارج ۲) قرآنی احکام عبوری دور کے لئے تھے۔ (نظامِ ربوبیت ص ۲۵) آخرت سے مراد مستقبل ہے۔ (سلیم کے نام ص ۱۲۷ ارج ۲)

## جنت اور جہنم

جنت اور جہنم مقامات نہیں ہیں، انسانی ذاتی کیفیات ہیں۔ (لغات القرآن ص ۲۲۹ ارج ۱) ملائکہ سے مراد وہ نفسیاتی حرکات ہیں جو انسانی قلوب پر اثرات مرتب کرتے ہیں۔ (ابليس و آدم ص ۱۹۵) وغیرہ۔ میں نے کہا کہ جن مسائل کو قرآن کے مسائل سے تعبیر کیا گیا ہے کیا عرب و عجم کے مفسرین شروع سے ان آیات کے یہی مطالب بیان کرتے آرہے ہیں؟ پروفیسر صاحب نے کہا کہ ان سے علماء نہ صرف یہ کہ اتفاق نہیں کرتے بلکہ بعض مسائل پر تو علماء نے فتویٰ کفر دے دیا ہے، جس فتویٰ پر تقریباً ۱۰۲ اعلماء کے دستخط ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا یہ فتویٰ پرویز صاحب کی زندگی میں شائع ہو کر ان تک پہنچا تھا۔ انہوں نے فرمایا بالکل یہ فتویٰ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن جامعۃ العلوم الاسلامیہ سے شائع ہوا۔ پرویز صاحب نے بار بار پڑھا اور ایک خط میں کچھ لعن طعن علماء پر کر دیا مگر ان کے ذلائل کا جواب نہیں دے سکے۔ پھر اس خط کا جواب بھی حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب نے چھپوا دیا۔ مگر اس کا جواب الجواب کسی طرف سے نہ ہو سکا۔ میں نے کہا پروفیسر صاحب! ہم نے جتنا اختلافات سے بچنے کی کوشش کی، پہلے سے زیادہ اختلافات میں بچنے گئے۔ کوئی راستہ بھائی نہیں دیتا کہ کدھر جائیں۔ وہ ایسی پریشانی میں تھے کہ ان کے ایک دوست وکیل صاحب آگئے۔ انہوں نے ان کی کہانی سنی تو انہیں لے کر اس (رقم الحروف) کے پاس آگئے اور انہوں نے مجھے بھی اپنی داستان تحقیق سنائی۔ میں نے کہا کہ آپ حضرات کی پریشانیوں کے اسباب میں سے پہلا سبب یہ ہے کہ دین کے بارے میں

جناب کا علم نہایت ناقص اور بالکل سطحی ہے، دوسرا سبب یہ ہے کہ باوجود ناقص استعداد کے خود رائی اور غرور و تکبر نے آپ کو علماء اور صوفیاء سے دور کر دیا ہے۔

## حدود اختلاف

میں نے کہا کہ آپ ابھی تک حدود اختلاف سے ہی واقف نہیں۔ اختلاف کی تین قسمیں ہوتی ہیں:

(۱) پہلی قسم کا اختلاف کفر اور اسلام کا اختلاف ہے۔ ضروریات دین میں سب کو ماننا ایمان ہے اور ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کرنا یا باطل تاویل کرنا کفر ہے۔ جیسے اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت سے مرکزی حکومت کی اطاعت مراد لینا کفر ہے اسی طرح اولو الامر سے ہر حکومت کے افسران ماتحت مراد لینا صریح کفر اور الحاد ہے یا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت صرف آپؐ کی حیات ظاہری میں قابل عمل تھی اب اس کی اطاعت لازم نہیں، یہ بھی صریح کفر ہے۔ ختم نبوت کا یہ مفہوم مراد لینا کہ اب ہم اپنے فیصلے خود حل کریں گے، یہ بھی کفر ہے اور اسلامی احکام زکوٰۃ، صدقہ، خیرات، وراشت مسائل کو عبوری دور کے احکام قرار دینا بھی واضح کفر ہے۔

(۲) دوسری قسم کا اختلاف دائرہ اسلام کے اندر ہے۔ اس کو سنت اور بدعت کا اختلاف کہتے ہیں۔ قدریہ، جبریہ، معترزلہ وغیرہ بدعتی فرقے ہیں۔ مطلق ایصال ثواب، مطلق توسل اور مطلق حیات النبی ﷺ کا انکار کرنے والا اہل سنت سے خارج اور بدعتی ہے۔

(۳) تیسرا قسم کا اختلاف اہل سنت کے دائرہ کے اندر ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے۔ صحابہ محدثین اور فقہاء کا اختلاف اسی قسم کا ہے، اہل فتن کا اختلاف ہمیشہ قابل برداشت ہوتا ہے۔ طبیب سے طبیب کا اختلاف قابل برداشت ہے مگر طبیب سے کمہار کا اختلاف ناقابل برداشت ہے۔ نجح صاحب کا نجح سے قانونی تشریع میں

اختلاف قابل برداشت ہے مگر جو سے چمار کو اختلاف کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی اختلاف قابل برداشت ہے۔

### مثال

آپ لوگوں کا عجیب مزاج ہے کہ جو اختلافات قابل برداشت تھے جیسے ائمہ اربعہ کے اجتہادی اختلافات، ان کو تو آپ برداشت نہ کر سکے مگر جو اختلافات ناقابل برداشت تھے، جو سنت و بدعت اور کفر و اسلام کے تھے، ان کو آپ نے برداشت کر لیا۔ آپ کی مثال تو اس مریض جیسی ہے کہ اس کے لئے دو مسلمان طبیبوں نے الگ الگ حلال دو اتجویز کر دی مگر مریض غصے ہو گیا اور کافر اطباء کے پاس چلا گیا۔ انہوں نے بھی الگ الگ دو اتجویز کی مگر ہر ایک نے حرام دو اتجویز کر دی تو یہ اختلاف یقیناً پہلے اختلاف سے بدتر ہے۔ وہ کسی دہریہ کے پاس چلا گیا اور انہوں نے کہا کہ پہلے خدا کا انکار کرو، حلال و حرام کا فرق دل ہی سے نکال دو اور پھر دو ملے گی مگر اس کی تجویز میں بھی اختلاف ہی رہا تو یہ اختلاف یقیناً بدتر ہے۔

### اختلاف کہاں ہے

میں نے کہا کہ جو اختلافات قابل برداشت ہیں ان میں جوں کا اختلاف، وکلاء کا اختلاف، ڈاکٹروں کا اختلاف یقیناً ملک میں موجود ہے مگر یہاں ائمہ اربعہ کا تو ایک ہی مذہب ہے اور سات قرأتوں میں سے ایک ہی قرأت ہے۔ نہ لڑائی ہے نہ جھگڑا، صدیوں سے اتفاق و محبت سے لوگ دینی اعمال بجالا رہے ہیں۔ سری لنکا میں صرف شافعی مذہب ہے۔ نہ کسی حنفی نے وہاں جھگڑا ڈالا نہ مالکی نے۔ اس لئے کہ اپنے اپنے علاقے میں تو مذہب ہی ایک ہے، ایک ہی قرأت ہے، کوئی لڑائی نہیں۔ صدیوں تک مکہ مکرمہ جو سب کا مرکز ہے وہاں چار قاضی اور چار مصلی ہوتے تھے لیکن باقی ممالک میں عملًا ایک مذہب ہی متواتر تھا۔ اس کا فائدہ یہ تھا کہ سب جانتے تھے کہ

مرکز نے صرف چار مذاہب کو حق تسلیم کیا ہے کوئی پانچواں فرقہ اہل سنت کے نام سے نہ بن سکتا تھا۔ باقی علاقوں میں صرف ایک ایک مذہب تھا وہ بھی ان چار میں سے ایک۔ پاک و ہند کا حال ہی تاریخ میں پڑھ لیں۔ یہاں دوسری صدی میں سلام آگیا۔ دوسری سے تیر ہو یہ صدی تک یہاں کے اہل سنت ایک ہی مذہب حنفی رکھتے تھے۔ یہاں صدیوں میں حج کے لئے بھی جاتے رہے مگر حنفی ہی جاتے اور حنفی ہی واپس آتے۔ انگریز کے دور میں کچھ لوگ یہاں شافعی مذہب کے بعض مسائل کھینچ لائے اور اختلاف پیدا کر دیا۔ وہ اختلاف کرنے والے بھی خود تھے اور اختلاف کے خلاف شور بھی خود مچاتے تھے۔ بالکل چور مچائے شور کی مثال پوری کر دی۔ بارہ صدیوں میں یہاں لاکھوں کافر مسلمان ہوئے اور سب سنی حنفی ہی بنے۔ ان اختلافات کے بانیوں نے یہاں اختلاف پیدا کیا اور چونکہ یہاں ایک ہی مذہب تھا اس لئے جو سوال کافر بھی نہ سوچ سکتے تھے وہ خوب پھیلایا کہ اب اگر کافر مسلمان ہونا چاہے تو کس مذہب میں آئے گا، حالانکہ بات صاف ہے کہ آج بھی یہاں مذہب ایک ہی ہے اور وہ مذہب حنفی ہے اور یہ نئے اختلافات والے تولامذہب ہیں اور کافر یہ سوال کیوں نہ کرے گا کہ میں مسلمان ہو کر سات قرأتوں میں سے کس قراءت پر قرآن پڑھوں۔ اصل بات یہ ہے کہ یہاں عوام میں ایک ہی قراءت متواتر ہے جو سب مسلمان پڑھ رہے ہیں اور کافر بھی مسلمان ہو کر یہی قاری حفص کی متواتر قراءت پڑھے گا اور مذہب حنفی کے ذریعہ سنت نبوی پر عمل کرے گا۔ پروفیسر صاحب اور ان کے شاگرد آپس میں کہنے لگے کہ دیکھو ایلو پیتھی، ہومیو پیتھی، یونانی، آریو وید ک کے چار طریق علاج یہاں موجود ہیں مگر اس پر ہم نے کبھی شور نہیں مچایا اور انہے ارب عجہ کے مذاہب میں سے تو یہاں ایک اور صرف ایک ہی مذہب ہے، ”مذہب حنفی“۔ مگر ہم چار کارکاذہن پر بوجھ ڈال کر خود بھی پاگل ہو گئے اور کتنے سادہ لوگوں کو پاگل بناؤالا۔

اے اللہ! ہمیں اس پاگل پنے سے محفوظ فرم اور ایک ہی مذہب جو اس ملک میں درساً  
اور عملًا متواتر ہے اسی پر ہمیں قائم رکھ اور اس کی حفاظت فرم، آمین۔

## ایصال ثواب

اب وہ دونوں فرمانے لگے کہ یہ ایصال ثواب کا عقیدہ تو قرآن پاک کے  
بالکل ہی خلاف ہے۔ قرآن پاک میں صاف طور پر آیا ہے: ﴿لَيْسَ لِإِنْسَانٍ إِلَّا  
مَا سَعَى﴾ (۳۹:۵۲) اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا اور دوسرا جگہ ہے  
﴿وَلَا تُجْزِوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (۵۲:۳۶) اور وہی بدله پاؤ گے جو کرتے  
تھے۔ میں نے کہا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو حکم فرمایا ہے ﴿فُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا  
رَبَّيْنِي صَغِيرًا﴾ (۱۷:۲۳) اور کہہ اے رب ان پر حکم کر جیسا پالا انہوں نے مجھ کو چھوٹا  
سما۔ میں نے پوچھا کہ کیا والدین کیلئے یہ دعا کرنے کا حکم ہے؟ کہنے لگے بالکل  
ہے۔ میں نے کہا صرف جب تک زندہ ہوں اسی وقت تک یادفات کے بعد بھی؟  
کہنے لگے وفات کے بعد بھی۔ میں نے پوچھا: اس دعا سے ان کو کوئی فائدہ بھی پہنچے گا یا  
قرآن نے ایک بے فائدہ کام کا حکم دیا ہے؟ کہنے لگے کہ ضرور پہنچے گا۔ میں نے کہا  
کہ اسی کا نام ایصال ثواب ہے۔ اس میں سعی اور کوشش بیٹھی، بیٹھی کی ہے اور فائدہ  
والدین کو پہنچ رہا ہے۔ کہنے لگے ماں باپ کو اولاد کی کوشش کا فائدہ پہنچتا ہے کیونکہ وہ  
سبب ہیں ان کی پیدائش کا، اور وہ کوتونہیں پہنچتا۔ میں نے کہا قرآن پاک میں  
حضرت نوح علیہ السلام کی دعا بھی مذکور ہے ﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيْ وَلِمَنْ  
دَخَلَ بَيْتِي مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ  
إِلَاتَبَارًا﴾ (۲۸:۷۱) ”اے رب معاف کر مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو آئے  
میرے گھر میں ایمان دار اور سب ایمان والے مردوں اور عورتوں کو اور ظالموں کیلئے  
تبہی کے سوا کچھ زیادہ نہ کر۔ اس آیت کریمہ میں سب مومن مردوں اور عورتوں کے  
لئے دعا ہے۔ تو کیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوح! میں نے تیرے حق میں

دعا قبول کر لی اور تیرے والدین کے لئے بھی کیونکہ وہ تیری پیدائش کا سبب ہیں اور باقی مومن جو تیرے گھر میں ہیں اور گھر سے باہر کے سب مومن مردوں اور عورتوں کے لئے تیری دعاء بے فائدہ، عبث اور مردود ہے اور آئندہ بھی ایسا فضول کام نہ کرنا، یہ دعا تیرا عمل ہے اس سے تجھ کو فائدہ ہو گا اور کسی کو نہیں ہو گا۔ تیری کوشش کا فائدہ اور کسی کو پہنچانا میرے قانون کے خلاف ہے۔ کہنے لگے یقیناً سب کو فائدہ پہنچا۔ میں نے کہا یہی ایصال ثواب ہے۔ اب ایصال ثواب کا انکار کر کے تم قرآن کا انکار کر رہے ہو یا نہیں؟ کہنے لگے واقعی یہ تو قرآن پاک کا صاف انکار ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن پاک میں حضرت ابراہیم کی دعاء بھی ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبِّنَا وَتَقْبَلْ دُعَاءَ رَبَّنَا  
أَغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَي وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ﴾ (۳۰: ۲۱-۲۲)

اے میرے پروردگار! بنادے مجھے نماز قائم کرنے والا اور میری اولاد میں سے بھی اے ہمارے پروردگار اور ہماری دعا قبول فرماء، اے ہمارے پروردگار! بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور مومنوں کو کہ جس دن حساب قائم ہو گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا سب کے لئے کی تو والد کے لئے دعا سے منع کر دیا گیا کیونکہ وہ کافر تھا۔ اس کو نبی کی دعاء کا بھی کوئی فائدہ نہ ہوا اور مومنوں کے لئے دعا سے منع نہیں کیا گیا۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مومنوں کو ثواب پہنچتا ہے کافروں کو نہیں پہنچتا تو آپ لوگ اپنے آپ کو کافروں سے کیوں ملا رہے ہیں؟ اسی بات کی وضاحت قرآن پاک میں دوسری جگہ بھی ہے۔

### منافقین کی محرومی

﴿إِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً  
فَلَكُنْ يَعْفُرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ﴾

**مَالْفَاسِقِينَ** ﴿٨٠:٩﴾ ”تو ان کے لئے بخشش مانگ یا نہ مانگ۔ اگر ان کے لئے ستر بار بخشش مانگے تو بھی ہرگز نہ بخشنے گا ان کو اللہ، یہ اس واسطے کہ وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ راستہ نہیں دیتا نافرمان لوگوں کو،“ معلوم ہوا کہ کافروں کو نبی پاک ﷺ کے استغفار کا کوئی فائدہ نہیں اگرچہ نبی ستر مرتبہ بھی استغفار کریں۔ خدا کی پناہ۔

### کافر کا جنازہ نہ پڑھو

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبْدًا وَلَا تَقْعُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَا تُوْا وَهُمْ فَاسِقُونَ﴾ ﴿٨٢:٩﴾ اور نماز نہ پڑھان میں سے کسی پر جو مر جائے بھی اور نہ کھڑا ہو اس کی قبر پر، وہ منکر ہوئے اللہ سے اور اس کے رسول سے اور وہ مر گئے نافرمان۔

### جنازہ بھی ایصال ثواب ہے

چونکہ نماز جنازہ سے میت کو فائدہ پہنچتا ہے اس لئے مومن کے بارے میں تو حدیث شریف میں فرمایا کہ ہر نیک و بد پر نماز جنازہ پڑھو مگر کافروں کو ثواب نہیں پہنچتا، اس لئے ان کی نماز جنازہ سے سختی سے منع کر دیا گیا۔ اس لئے جو لوگ ایصال ثواب کے منکر ہیں ان کو اعلان کرنا چاہئے کہ نہ ہم کسی کی نماز جنازہ پڑھیں گے اور نہ کوئی ہماری نماز جنازہ پڑھے اور جو لوگ اس کے قائل ہیں کہ ایصال ثواب صرف سبب کی وجہ سے ہوتا ہے وہ بھی اعلان کریں کہ نماز جنازہ صرف اولاد پڑھے۔ جس کی اولاد نہ ہو اس کی نماز جنازہ بالکل نہ پڑھی جائے اور ہمارے جنازہ میں بھی ہماری اولاد کے علاوہ کوئی اور شریک نہ ہو بلکہ اگر جرأت اور ہمت ہے تو صاف اعلان کریں کہ ہم اہل قرآن ہیں اس لئے جو بات قرآن سے ثابت نہ ہو مثلاً، مردہ کو غسل دینا، کفن دینا، اور حدیث والی نماز جنازہ پڑھنا اور چار پائی پڑھا کر قبرستان لے جانا، یا اس قبر میں

دفن کرنا جو انسان نے کھودی ہو، کیونکہ یہاں نہ مجھے عذاب ہو گا نہ ثواب۔ اللہ کی کھودی ہوئی قبر میں دفن کرنا جہاں مجھے عذاب یا ثواب ملے۔

نماز جنازہ ایصال ثواب ہے اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: (إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لِهِ الدُّعَاء) (ابن ماجہ ص ۱۰۰، ابو داؤد ج ۲ ص ۱۰۰) ”جب مردہ پر نماز پڑھو تو خلوص کے ساتھ اس کے لئے دعا کرو۔“ اور یہاں یہ نہیں فرمایا کہ بیٹھے کے سوا کوئی نماز جنازہ نہ پڑھے۔ اسی طرح آپ ﷺ سے کئی دعا کیں کتب احادیث میں منقول ہیں جو آپ ﷺ نے جنازہ میں پڑھیں، اور یہ نماز جنازہ امت میں عملًا متواتر چلی آ رہی ہے، اور اس سے مقصود صرف اور صرف ایصال ثواب ہے۔

### قبر پر دعاء

عن عثمان بن عفان رضي الله عنه قال كان النبي ﷺ اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لأخيكم واستلوا له التشبيت فإنه الأن يسئل ”حضرت عثمان“ سے روایت ہے کہ بی اکرم ﷺ جب مردہ کے دفن سے فارغ ہوتے تو فرماتے اپنے بھائی کے لئے بخشش مانگو اور اس کی ثابت قدمی کی دعا کرو، پس بے شک اب اس سے سوال ہو رہا ہے، ”یہ استغفار بھی زندگی کی سعی و کوشش ہے جس سے مردہ کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔“ اس میں کوئی قید نہیں کہ صرف بیٹا دعا کرے اور کوئی نہ کرے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ مبت سے سوال وجواب اسی قبر میں ہوتا ہے۔ (ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۳)

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص (۴۳ھ) نے فرمایا: کہ جب تم مجھے دفن کر چکو تو پھر مجھ پر مٹی ڈالو، پھر میری قبر کے پاس اتنا وقت ٹھہرے رہو جس میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جا سکتا ہو، تاکہ میں تمہاری وجہ سے مانوس ہو کر سوچ سکوں کہ اپنے رب کے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔ (صحیح مسلم ص ۶۷، برجم)

علامہ نووی (۶۷ھ) اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث

سے ثابت ہوا کہ قبر میں سوال و جواب بھی ہے اور عذاب و ثواب بھی اور دفن کے بعد قبر پر کچھ دریکھرنا مستحب ہے۔ وفيه أن الميت حينئذ يسمع من حول القبر كم مردہ اس وقت اپنی قبر کے ارد گرد کی باتیں سنتا ہے۔ فقیہہ کبیر قاضی خان (۵۹۲ھ)

تحریر فرماتے ہیں:

ان قرآن القرآن عند القبور ان نوی بذالک ان یونسهم صوت  
القرآن فإنه يقرأ فإن لم يقصد ذالك فالله تعالى يسمع قراءة القرآن  
حيث كانت.

(قاضی خان ص ۹۱ رج ۳، عالمگیری ص ۷۷ رج ۳)

”اگر کسی شخص نے قبروں کے پاس اس نیت سے قرآن پڑھا کہ اس کے  
قرآن پڑھنے کی آواز سے مردے مانوس ہوں تو بلاشبہ وہ پڑھے اور اگر یہ نیت نہ ہو تو  
الله تعالیٰ تو ہر جگہ سے قرآن کی قرأت کو سنتا ہے۔“

فائدہ

قرآن پاک کہیں بھی پڑھا جائے اس کا ثواب مردے کو پہنچ جاتا ہے۔ ہاں  
اہل قبور کو مانوس کرنا ہوتا وہ قریب پڑھنے سے سنتے ہیں۔

### زيارة قبور کی دعا

زيارة قبور مسنون ہے اور زیارت کے وقت بھی مردہ کے لئے دعاء کرنا  
مسنون ہے۔ یہ دعاء بھی ایصال ثواب ہی ہے۔ اس میں بھی کوئی تخصیص نہیں کہ  
صرف بیٹا ہی دعاء مانگے باقی دعاء نہ مانگیں۔

السلام عليكم أهل الديار من المؤمنين وال المسلمين وإنما  
إنشاء الله بكم للاحقون . نسأل الله لنا ولكم العافية . (مسلم ص ۳۱۸ رج ۱)

”سلام ہوتم پر اے ان گھروں والے مومنو اور مسلمانو! اور ہم بھی انشاء اللہ  
تم سے ضرور ملنے والے ہیں۔ ہم اپنے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کی  
دعاء کرتے ہیں،“

آنحضرت ﷺ، صحابہؓ، تابعینؓ اور ہر زمانہ اور ہر علاقہ کے مسلمان زیارت قبور کے وقت میت کو سلام اور اس کے لئے دعا کرتے آ رہے ہیں۔ اور اس ایصال ثواب پر کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس پر وہ حضرات کہنے لگے کہ دعا کو ہم بھی جائز مانتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ دعا زندہ ہی کی سعی اور کوشش ہے جس سے مردہ کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جس آیت سے آپ کو مغالطہ دیا گیا اس کا مطلب تو صاف ہے۔ جیسے آپ کا لج میں پورا مہینہ پڑھاتے ہیں تو اس کی تخلواہ کے حق دار آپ ہی ہیں، وہ آپ ہی کی ملکیت ہے مگر جب آپ خود و تخلواہ لے کر کسی محتاج کو صدقہ یا دوست کو ہدایہ دے دیں تو اب وہ اس کا مالک بن جائے گا۔ اسی طرح آپ کی سعی، کوشش اور محنت کا ثواب آپ ہی کو ملے گا۔ ہاں اس کے بعد آپ نے یہ بھی سعی فرمائی کہ اے اللہ! اس کا جو ثواب مجھے ملا ہے وہ فلاں کو پہنچا دے تو وہ اس کو مل جائے گا اور یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا (الدعاء مخ العباده) (ترمذی ج ۲ ص ۱۷۵)

”دعا ہی عبادت کا مغز ہے۔“ تو جب مغز پہنچنے کے آپ قائل ہیں تو چلکے بھی ساتھ ہی چلتے جاتے ہیں اور زندہ کے کام کا ثواب تو زندہ ہی کو ملتا ہے۔ مردہ کو ایصال ثواب ہوتا ہی دعا کے ذریعہ ہے کہ اے اللہ! اس کا ثواب فلاں کو پہنچ جائے خواہ دعا زبان سے کی جائے یادل سے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز بھی جانتے ہیں اور یہ حقیقت ایسی مسلمہ ہے کہ فرش سے عرش تک مسلم ہے۔

### فرش والے

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَتَبَعَّثُهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانِ الْحَقْنَابِهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ وَمَا أَلْتَهُمْ مِنْ عَمَلِهِمْ مِنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ﴾ (۲۱: ۵۲)

”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کی پیروی کی ان کی اولادوں نے ایمان کے ساتھ، ملادیں گے ہم ان کے ساتھ ان کی اولادوں کو اور نہیں کریں گے ہم ان کے لئے ان کے اعمال میں سے کچھ کم پر آدمی پھنسا ہو رہے اپنی کمائی میں،“

اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنی دونوں شانیں بیان فرمادیں کہ کاملوں کی برکت سے، وہ ان کی اولاد سے فضل کا معاملہ فرماتے ہیں کہ قاصرین کا درجہ بلند کر کے کاملین سے ملا دیتے ہیں اور عدل کا معاملہ یہ ہے کہ اچھے برے عمل کی جزا سزا اتنی ہی دے جتنا عمل ہو۔

### بعد والے

﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلَا إِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلَّا لِلَّذِينَ أَمْنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفُ الرَّحِيمُ﴾ (الحضر ۵۹:۱۰)

”اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے: اے رب! بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم نے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیرا ایمان والوں کا۔ اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان“۔ دیکھو بعد والوں کی دعاء سب پہلوں کو پہنچ رہی ہے اور یہی فائدہ پہنچانا ایصال کہلاتا ہے۔

### عرش والے

﴿تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرُنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (۲۲:۵)

”قریب ہے کہ پھٹ پڑیں آسمان اور پر سے اور فرشتے تسبیح بیان کرتے ہیں۔ اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اور گناہ بخشواتے ہیں زمین والوں کے۔ آگاہ رہو! بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے۔“

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آسمانوں پر فرشتے زمین والوں کے لئے اللہ سے بخشش کی دعاء مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی دعاء سے زمین والوں کے گناہ بخش دیتے ہیں۔ آسمان والوں کی کوشش سے زمین والوں کو فائدہ پہنچ رہا ہے، کاملوں

کی محنت سے قاصروں کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور بعد والوں کی دعاء سے سابقین کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ یہ خداوند قدوس کا فضل ہے۔

## فضل ہی فضل

﴿مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلٍ حَبَةً أَئْتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُبْطَلَهٖ مِائَهُ حَبَّهٖ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِمْ﴾ (آل عمران: ۲۶۱)

”مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنا مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے جیسے ایک دانہ، اس سے اگس سات بالیں، ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ نہایت بخشش کرنے والا ہے، سب کچھ جانتا ہے“۔ دیکھو عدل تو یہ چاہتا ہے کہ ایک دانہ خرچ کرنے والے کو اجر میں ایک ہی دانہ ملے مگر خدا کا فضل ہے کہ ایک دانہ سات سو سے بھی کئی گناہوں جائے، دانہ بھی انہیں کی عطا تھی اور یہ بے نہایت اجر بھی انہی کا فضل و کرم ہے۔ اللهم إنِّي أَسْأَلُكْ مِنْ فَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ۔

## صدقات جاریہ

﴿إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ وَكُلُّ شَيْءٍ أَخْصَصْنَا فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾ (آل عمران: ۱۲) ”ہم ہیں جو زندہ کرتے ہیں مردوں کو اور لکھتے ہیں جو آگے بھیج چکے اور جو نشان ان کے پیچھے رہے اور ہر چیز گن لی ہم نے ایک کھلی اصل میں، یعنی نیک و بد اعمال جو آگے بھیج چکے اور بعض اعمال کے اچھے برے اثرات جو پیچھے چھوڑے، مثلاً کوئی کتاب تصنیف کی یا علم سکھایا یا عمارت بنائی یا کوئی رسم ڈالی نیک یا بد، وہ سب اس میں داخل ہیں اور حدیث پاک میں یوں ہے: ”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: جب انسان مرجاتا ہے تو

اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین عمل، صدقہ جاریہ یا علم جس سے فائدہ اٹھایا جا رہا ہو اور نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی ہے۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۱ رج ۲) اور حضرت ابو ہریرہؓ سے ہی روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے: سوائے اس کے نہیں کہ مومن کو اس کی موت کے بعد اس کے اعمال اور نیکیوں سے ملتے ہیں وہ علم جو سیکھا پھر اس کی اشاعت کی یا نیک بیٹا چھوڑ گیا یا قرآن پاک و راثت میں چھوڑا یا مسجد تعمیر کی، یا مسافر خانہ بنایا، یا نہر کھدوائی یا وہ صدقہ جو اپنے مال سے تند رسی اور زندگی میں نکالا، ان کا ثواب موت کے بعد بھی اس کو پہنچتا ہے۔ (ابن ماجہ ص ۲۲) اور حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس نے رسم ذاتی اسلام میں اچھی، اس کا اس کو اجر ملے گا اور جو لوگ بعد میں اس پر عمل کریں گے ان کا بھی اجر ملے گا اور ان کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی اور جس نے اسلام میں کوئی بدر سم جاری کی اس کو اس کا بھی گناہ ہوگا اور جتنے لوگ اس کے بعد اس بدر سم پر عمل کریں گے ان کا بھی اس کو گناہ ہوگا اور ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۱ رج ۲)

### صدقات کا ایصال ثواب

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا إِنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّ أَمِّي أُفْتُلِتَ نَفْسُهَا وَلَمْ تُوْصِ وَأَظْنَهَا لَوْتَ كَلَمَتٍ تَصَدَّقَتْ أَفَلَهَا أَجْرٌ إِنْ تَصَدَّقَتْ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ

(بخاری ص ۳۸۶ رج ۱، مسلم ص ۳۲۲ رج ۱، واللفظ لمسلم)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ اس کی والدہ اچانک فوت ہو گئی اور اس نے کوئی وصیت نہ کی اور سراگمان ہے اگر وہ بات کرتی تو صدقہ کرتی۔ اب اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو ثواب پہنچے گا؟ فرمایا ہاں،

عن عبد الله بن عباس رضى الله عنهمَا أَن سعد بن عبادة  
 أَخَابَنِي سَاعِدَةَ تُوْفِيتُ أُمَّهُ وَهُوَ غَائِبٌ عَنْهَا فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا  
 رَسُولَ اللهِ إِنَّ أُمِّيْ تُوْفِيتَ وَأَنَا غَائِبٌ عَنْهَا فَهَلْ يَنْفَعُهَا شَيْءٌ صَدَقَهُ  
 عَلَيْهَا إِنْ تَصَدَّقَتْ بِهِ عَنْهَا؟ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَإِنِّي أُشْهِدُكَ أَنَّ حَائِطَيْ  
 الْمِحْرَافَ صَدَقَهُ عَلَيْهَا .  
 (بخاری ص ۳۸۷ رج ۱)

”حضرت عبد الله بن عباسؓ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ کی والدہ  
 فوت ہو گئی اور وہ غائب تھا۔ وہ حاضر ہوا اوس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری  
 والدہ فوت ہو گئی اور میں غائب تھا۔ اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا  
 اسے فائدہ ہو گا؟ فرمایا: ہاں۔ سعد نے کہا میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میرا باعث  
 مخالف اس کی طرف سے صدقہ ہے۔“

عن أبي هريرة أن رجلا قال للنبي صلوات الله عليه ان أبي مات وترك  
 مالا ولم يوصي فهل يكفي عنه ان أتصدق عنه؟ قال نعم (مسلم ج ۳۲۲ ص ۳۲۲)  
 ”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبیؐ کی خدمت میں  
 عرض کیا: بے شک میرے والد فوت ہو گئے اور مال چھوڑا اور وصیت نہیں فرمائی۔ اگر  
 میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اس کو کفایت کرے گا۔ فرمایا: ہاں،“

عن سعد بن عبادة انه قال يا رسول الله صلوات الله عليه ان ام سعد ماتت فأى  
 الصدقه أفضل؟ قال الماء فحفر بئرا وقال هذه لأم سعد .

(منhadیح ۵ ص ۲۸۵ بیرونیات احیاء الترات ج ۶ ص ۲۸۵ حدیث نمبر ۲۹۵۳)

”حضرت سعد بن عبادہؓ سے روایت ہے کہ اس نے رسول اللہ صلوات الله عليه سے عرض  
 کیا کہ ام سعد فوت ہو گئی۔ پس کون سا صدقہ افضل ہے۔ فرمایا پانی۔ تو سعد نے کنوں  
 کھودا اور کہا: یہ ام سعد کے لئے ہے۔“

عن عبد الله بن عمرو بن العاص بن وائل نذر في الجاهلية أن ينحر مائة بدنة وأن هشام بن العاص نحر خمسة وخمسين وأن عمرو سئل النبي ﷺ عن ذالك فقال أما أبوك فلو أقر بالتوحيد فصمت وتصدق عن نفعه ذالك.

(من مسند أحمد ج ۲ ص ۱۸۲ او طبع بيروت ج ۲ ص ۳۷۸ حديث رقم ۲۶۶۵)

حضرت عبد الله بن عمروؓ سے روایت ہے کہ عاص بن وائل نے زمانہ جاہلیت میں سوانح ذبح کرنے کی نذر مانی۔ اسی کے بیٹے ہشام نے باپ کی طرف سے پچھن اونٹ ذبح کئے۔ عمروؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا: ان کا کیا ہوگا؟ فرمایا: اگر تیر ابا پ تو حید کا اقرار کرتا اور توروزہ رکھ کر یا صدقة کر کے ثواب پہنچاتا تو اس کو اس سے فائدہ ہوتا۔“

ان احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ اگر میت کی طرف سے صدقة کیا جائے تو اس کا ثواب میت کو پہنچتا ہے۔ اور حضرت سعدؓ کو رسول اقدس ﷺ نے پانی کے صدقے کا فرمایا کیونکہ اس وقت پانی کی قلت تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جتنی محتاج کی ضرورت زیادہ پوری ہوگی اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا اور جتنا ثواب زیادہ ملے گا اتنا ہی آگے زیادہ پہنچے گا۔ اس لئے ایصال ثواب میں خیال رکھنا چاہئے کہ میت کو زیادہ ثواب پہنچے۔

### حج کا ایصال ثواب

عن ابن عباس رضى الله تعالى عنهمَا ان امراة من جهينة جاءت الى النبي ﷺ فقالت ان امی نذرت ان تحج فلم تحج حتى ماتت فاحج عنها؟ قل حجي عنها. ارأيت لو كان على أمك دين اكنت قضية اقضوا الله فالله أحق بالقضاء  
(صحیح بخاری ص ۲۵۰، رج ۱)

”حضرت عبد الله بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قبیلہ جھینہ کی ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میری والدہ نے حج کی منت مانی تھی اور وہ منت پوری کرنے سے پہلے فوت ہو گئی۔ کیا میں اس کی طرف سے

حج کروں؟ فرمایا: اس کی طرف سے حج کر۔ تیرا کیا خیال ہے، اگر تیری والدہ کے ذمہ قرض ہوتا اور تو ادا کرتی تو ادا ہو جاتا۔ اسی طرح اللہ کا قرض ادا کرو وہ بالا ولی ادا ہو جاتا ہے۔“

## تلاؤت قرآن کا ایصال ثواب

عن عبد الرحمن بن العلاء بن الجلاج عن أبيه قال قال أبي  
الجلاج أبو خالد رضي الله عنه يا بني إذا انامت فالحدلي فإذا  
وضعتى فى لحدى فقل باسم الله وعلى ملة رسول الله عليه صلوات الله ثم سن  
على التراب سنا ثم إقرأ عند رأسى بفاتحة البقرة وخاتمتها فإنى  
سمعت رسول الله عليه صلوات الله عليه يقول ذالك رواه الطبراني في الكبير  
واسناده صحيح .  
(مجموع الزواائد ص ۲۳۴ رج ۳)

”عبد الرحمن بن العلاء بن الجلاج نے اپنے والد سے بیان کیا کہ میرے والد الجلاج ابو خالد نے کہنا: اے میرے بیٹے! جب میں مر جاؤں تو میرے لئے بغلی قبر بنانا۔ جب تم مجھے میری لحد میں رکھو تو بسم الله وعلى ملة رسول الله کہنا، پھر مجھ پر مٹی برابر کرنا، پھر سر کے پاس سورۃ البقرہ کی ابتدائی آیات اور اس کی آخری آیات پڑھنا۔ بلاشبہ میں نے رسول الله عليه صلوات الله عليه عليه کو یہ پڑھتے ہوئے سنائے۔“

عن عبد الله بن عمر قال سمعت النبي عليه صلوات الله عليه عليه يقول إذا مات أحدكم فلا تجسوه واسرعوا إلى قبره وليقرأ عند رأسه بفاتحة البقرة وعند رجليه بخاتمة البقرة  
(رواہ البینحقی فی شعب الإيمان)

”حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول الله عليه صلوات الله عليه عليه کو فرماتے ہوئے سن اجب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کو روکومت، جلدی قبر تک پہنچاؤ اور قبر کے سر ہانے سورۃ البقرہ کا ابتدائی اور پاؤں کی طرف سورۃ البقرہ کا اختتامیہ پڑھا جائے۔“

امام نیہوئیؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ یہ ابن عمر پر موقوف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ موقوف بھی مثل مرفوع کے ہے اور امت کا تعامل بھی اسی پر آ رہا ہے کہ سر کی طرف الٰم سے ہم المفلحون تک اور پاؤں کی طرف اللہ مافی السموات سے آخر سورۃ تک پڑھتے ہیں۔

**اخراج الخلال فی الجامع عن الشعوبی قال كانت الأنصار اذا مات لهم الميت اختلفوا على قبره يقرؤن له القرآن ..... ”امام شعوبیؒ سے روایت ہے کہ انصار کے ہاں جب کوئی فوت ہو جاتا تو اسی کی قبر پر جا کر اس کے لئے قرآن پڑھتے۔**

**اخراج أبو محمد السمرقندی فی فضائل قل هو الله أحد عن علی مرفوعاً: من مر على المقابر وقرأ قل هو الله أحد عشر مرة ثم وهب أجره للأموات اعطى من الأجر بعد الاموات۔ ”حضرت علیؑ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص قبرستان سے گزرے اور گیارہ مرتبہ ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخشنے، اسے بھی مردوں کی تعداد کے برابر ثواب دیا جائے گا۔**

**عن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ من دخل المقابر ثم قرأ فاتحة الكتاب وقل هو الله أحد وألهكم التكاثر ثم قال اللهم إني جعلت ثواب هذا الكلمات ما قرأت لأهل المقابر من المؤمنين والمؤمنات كانوا شفعاء له إلى الله تعالى.**

**”حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جو قبرستان میں داخل ہو کر فاتحہ، اخلاص اور تکاثر پڑھے، پھر کہے اے اللہ! میں نے جو تیرا کلام پڑھا۔ اس کا ثواب اس قبرستان کے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بخشتا ہوں تو وہ سب اس کی شفاعت کریں گے۔“**

عن أنس أن رسول الله ﷺ قال من دخل المقابر فقرأ سورة

يسين خفف الله عنهم و كان له بعده من فيها حسنات .

”حضرت أنس“ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے : جو قبرستان میں داخل ہوا اور اس نے سورۃ یسین کی تلاوت کی۔ مردوں سے اللہ تعالیٰ عذاب ہکا فرمادیں گے اور اس پڑھنے والے کو مردوں کی تعداد کے برابر نیکیاں ملیں گی“ ۔

حمدکی کا بیان ہے کہ میں ایک رات مکہ مکرمہ کے قبرستان میں گیا۔ میں ایک قبر پر سرکھ کو سو گیا۔ میں نے دیکھا کہ قبرستان والے مختلف ٹولیوں میں پیشے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا قیامت قائم ہو گئی ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں، ہمارے ایک بھائی نے قل هو اللہ أحد پڑھ کر اس کا ثواب ہمیں بخشنا تھا اور ہم ایک سال سے وہ ثواب تقسیم کر رہے ہیں۔ یہ روایت امام سیوطیؓ نے شرح الصدور میں نقل فرمائی ہے۔ علامہ نیموقیؓ فرماتے ہیں کہ ان روایات میں اگرچہ ضعف ہے لیکن ان کا مجموعہ دلیل ہے کہ ان کی اصل ہے۔

### قربانی کا ایصال ثواب

امام ابو داؤد نے ابو داؤد شریف ج ۲ ص ۲۹ (مکتبہ امدادیہ) پر باب باندھا ہے: باب الأضحية عن الميت يعني میت کی طرف سے قربانی کرنا، اور اس میں حدیث لائے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد ہر سال دو دن بے قربانی کرتے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے رسول القدس ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں۔

اب سوچنے کی بات ہے کہ سید عالم ﷺ کو بھی یہ شوق ہے کہ مجھے قربانی کا ثواب پہنچتا رہے تو امت تو زیادہ اس کی محتاج ہے۔ اس لئے اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی ہے تو اپنے مرحومین کی طرف سے بھی قربانی کر دیا کریں۔ ان کو بھی قربانی کے جانور کے ایک ایک بال کے بد لے نیکیاں ملیں گی۔

## قرآن فہمی کا شوق

یہ سب کچھ سن کر پروفیسر صاحب فرمانے لگے کہ ہمیں تو قرآن پاک کا ترجمہ پڑھنے کا بڑا شوق تھا لیکن اس گفتگو سے تو ہم ڈر گئے کہ جو مطلب قرآن کا ہم نے سمجھا تھا وہ قرآن پاک کی دوسری آیات کے بھی خلاف تھا اور رسول اقدس ﷺ کی احادیث مقدسہ اور مسلم اہل سنت والجماعت کے بھی خلاف تھا۔ اب اس ڈر کی وجہ سے ہم تو مایوس ہو گئے کہ ہم قرآن پاک سے استفادہ نہیں کر سکتے۔ میں نے کہا کہ قرآن پاک سے استفادہ کرنے سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں البتہ دین میں خود رائی سے ڈرنا یہ خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ آپ ضرور قرآن پاک سے استفادہ کریں مگر قانون کی کتاب سے صحیح استفادہ جب ہی ہوگا کہ اس کو کسی قانون دان سے سمجھیں اور ڈاکٹری کی کتاب سے استفادہ کا صحیح طریق یہی ہے کہ ماہر، تجربہ کار ڈاکٹر سے سمجھیں۔ اسی طرح قرآن فہمی کا شوق بڑا مبارک شوق ہے۔ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ آپ حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ کی تفسیر معارف القرآن خرید لیں اور اس تفسیر کو کسی عالم باعمل سے سبقاً سبقاً پڑھ لیں اور جب بھی کوئی شخص آپ کو قرآن پاک کی کوئی آیت پڑھ کر بتائے اس سے فلاں بات ثابت ہوئی، آپ فوراً وہ آیت معارف القرآن سے نکالیں، اس میں اس آیت کی تفسیر دیکھ لیں اگر سمجھ آگئی ہے تو بہت خوب لیکن سمجھ میں ذرا بھی شبہ ہو تو وہ کسی عالم باعمل سے دریافت کر لیں کہ اس تفسیر کا کیا مطلب ہے؟ اس سے انشاء اللہ العزیز آپ کا قرآن فہمی کا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور اپنی خود رائی اور کم فہمی سے یادوں رسول کی بد فہمی اور کچھ فہمی سے جو گمراہی پھیل رہی ہے اس سے بھی آپ محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ میں نے تجربہ کے طور پر یہی دو آیات ان کو تفسیر معارف القرآن سے نکال کر دکھائیں اور ان کی تفسیر پڑھ کر سنائی تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم آئندہ انشاء اللہ العزیز اپنے ناقص

مطابعہ اور اپنی ناقص رائے پر کبھی دین میں اعتماد نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی دوسرے کی ناقص رائے پر اعتماد کریں گے۔ میں نے کہا پھر تم انشاء اللہ ان سب پر یشانیوں سے محفوظ ہو جاؤ گے جو اس ناقص رائے اور خود رائی کی وجہ سے تمہیں گھیر رہی ہیں۔

## اللہ والوں سے تعلق

میں نے ان سے کہا کہ دین پر مضبوطی سے قائم رہنے کے لئے جس طرح مسائل میں تقیدِ سلف کی ضرورت ہے اسی طرح کسی اللہ والے سے بیعت و صحبت کی بھی اشد ضرورت ہے۔ وہ کہنے لگے کہ یہاں بھی یہی پر یشانی ہے کہ کوئی کسی بزرگ کو اچھا کہتا ہے، دوسرا دوسرے کو۔ آدمی کدھر جائے؟ میں نے کہا یہاں بھی یہی اصول ہے کہ جس بزرگ کی طرف با عمل اور متqi علماء اور مفتیان کرام کا رجوع ہوان کی بیعت اور صحبت کو غنیمت جانیں۔ وہاں بھی اپنی خود کی مٹا کر حاضر ہوں۔ ان کے ساتھ عقیدت و محبت، ان کی عظمت اور طریقِ اصلاح میں ان کی اطاعت سے یہ مش خاک سونا بن جاتی ہے۔ عقائد و اعمال میں رسوخ و استقامت ان حضرات کی نظر کیمیا اثر اور صحبت و تعلق سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ ابل تجربہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ:

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہ ز صد سالہ طاعت بے ریا

ان حضرات کے جو تے سیدھے کئے بغیر اصلاح نفس عادتاً محال ہے۔

پروفیسر صاحب کہنے لگے: ہمیں تو اس طرف سے آج تک اتنا گفتہ رہی۔ میں نے کہا: اس غفتہ کو ختم کرنا اختیاری ہے یا غیر اختیار؟ کہنے لگے: اختیاری۔ میں نے کہا: اس اختیار کو استعمال کریں ورنہ یہ غفتہ ”وحشت“ میں بدل جایا کرتی ہے، پھر اللہ والوں کی عقیدت کی بجائے دل میں وحشت آ جاتی ہے اور اگر خدا نخواستہ اس حالت میں بھی نہ سنبھلے تو یہ وحشت نفرت میں بدل جاتی ہے اور اگر اب بھی اس کا اعلان

نہ کیا جائے تو یہی نفرت عداوت کا رنگ اختیار کر لیتی ہے اور حدیث قدسی میں ہے: من عادی لی و لیا فقد أذنة بالحرب (بخاری ج ۲ ص ۹۶۳) کہ اللہ والے سے عداوت اللہ سے لڑائی مول لینا ہے۔ اس منزل پر پہنچ کر عادتاً اصلاح سے مایوسی ہو جاتی ہے اس لئے اس طرف بھی توجہ فرمائیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام والی مشہور حدیث میں دین کے تین اہم شعبوں کا ذکر ہے: ایمانیات، اسلامیات یعنی عقائد و اعمال اور احسانیات۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بہشتی زیور میں ان سب شعبوں کو جمع فرمادیا ہے۔ اس کا مطالعہ اور اللہ والوں کی صحبت کو لازم پکڑیں۔

## فراض و نوافل

اسلامی عبادات میں فراض و نوافل کی تقسیم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ صرف بندوں کی مرضی پر چھوڑ دیتے کہ جتنی دل میں آئے عبادات کر لیا کرو تو شاید کتنے لوگ عبادت ہی نہ کرتے اور اگر صرف چند رکعت مقرر فرمادیتے تو کتنے اللہ والوں کو یہ حسرت رہ جاتی کہ کاش اور عبادت کرنے کی اجازت مل جاتی۔ اس لئے اسلام میں کچھ عبادت تو فرض کی گئی کہ ہر کام چھوڑ چھاڑ کر یہ ضرور ادا کرنی ہے اور اگر کوئی اور زیادہ اجر و ثواب چاہے، مزید اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہے تو جتنے چاہے نوافل پڑھے۔ جتنا گڑھ ڈالو گے اتنا ہی میٹھا ہو جائے گا، البتہ یہ اسلامی مزاج ہے کہ فراض میں اعلان و اجتماع ضروری ہے اور نوافل میں انفرادیت اور اخفا محظوظ ہے۔ دیکھئے فرض نماز باقاعدہ اذان و اقامۃ کے ساتھ باجماعت ادا کرنے کی تاکید ہے مگر نوافل اور سنن اگر مسجد کی بجائے گھر پڑھی جائیں تو زیادہ محظوظ ہیں اور اگر کوئی ظہر کے بعد سنتوں کی بھی جماعت شروع کر دے تو یقیناً اسلام سے واقفیت رکھنے والے اس کو ایک نئی بدعت قرار دیں گے اور اس کو ناجائز کہیں گے۔ اسی طرح ایک ایصال ثواب تو فرض کغایہ ہے اور وہ ہے نماز جنازہ۔ یہ باجماعت ادا کیا جاتا ہے اس کے بعد آپ

ساری عمر ایصال ثواب کر سکتے ہیں مگر اس میں اعلان اور اجتماع شریعت کی مخالفت ہے جیسے سنتوں نفلوں کی جماعت شریعت کی مخالفت ہے۔ اب یہ جنازہ کے بعد والد پر ایصال ثواب مستحب اور نفل درجہ میں ہے۔ اس لئے دن مقرر کرنا، اور اعلان کر کے لوگوں کو جمع کرنا اور اجتماعی رنگ دینا یہ شریعت کے مزاج کے خلاف ہے اور خصوصاً احناف کے ہاں یہ بدعت ہے اور بدعت سے بہت زیادہ بچنے کی ضرورت ہے کیونکہ دوسرے گناہوں کی نسبت اس کا ضرر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ چوری وغیرہ کا گناہ! گناہ کی شکل میں ہے اس لئے اس سے توبہ آسان ہے کہ اپنا دل بھی ملامت کرتا ہے اور معاشرہ بھی اس پر نکیر کرتا ہے، مگر بدعت کا گناہ نیکی کی شکل میں آتا ہے۔ حب رسول اللہ ﷺ یا حب اولیاء اللہ یا اموات کی ہمدردی کا البادہ اوڑھ کر آتا ہے۔ اس لئے جس کو دین سے پوری واقفیت نہ ہو، وہ اس کو گناہ نہیں بلکہ نیکی سمجھتا ہے، تو جب وہ اس کو نیکی سمجھے گا تو نفرت کیوں کرے گا؟ اسی طرح جاہل معاشرہ بھی اس بدعت کو نیکی سمجھتا ہے۔ اس لئے یہ گناہ زیادہ پھیل جاتا ہے اور جوں جوں جوں بدعت آتی ہے سنت کا نور دھندا ہوتا جاتا ہے۔ تو ایصال ثواب میں ایسی بدعتات سے بچنا بھی بہت ضروری ہے اور ایصال ثواب میں، ایک اور احتیاط بھی بہت اہم ہے، کہ اگر اپنی ملکیت سے کر رہا ہے تو خیر، لیکن اگر میمت کے ترک سے ترک تقسم کئے بغیر کر رہا ہے تو سب وارثوں کا رضامند ہونا ضروری ہے۔ ان میں سے کوئی وارث غائب یا نابالغ نہ ہو ورنہ بجائے ثواب کے گناہ ہوگا۔ اس لئے میمت کا مال پہلے شرعی طریقہ پر تقسیم کر لیا جائے پھر اپنے حصہ میں سے ایصال ثواب کرنا چاہیے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مطلق ایصال ثواب کا اہل سنت والجماعت میں سے کوئی منکر نہیں۔ معقول ہے جیسے بدعت فرقے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اہل سنت میں بھی احناف کا مسئلہ نہایت کامل ہے کہ ایصال ثواب درست اور جائز ہے خواہ بدین عبادت کا ہو یا مالی عبادت کا۔

الشیخ المحقق ابن الہمام امام ابو حفص کبیر سے نقل فرماتے ہیں کہ

حضرت انسؓ نے رسول اقدس ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ! ہم اموات کی طرف سے جو صدقہ کرتے ہیں اور ان کی طرف سے حج کرتے ہیں اور ان کے لئے دعائیں مانگتے ہیں، کیا ان کا ثواب ان کو پہنچتا ہے؟ فرمایا: ہاں! ان کو ثواب پہنچتا ہے اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ جیسے تمہیں کوئی آدمی ہدیہ دے تو تم خوش ہوتے ہو۔ اس کے بعد کچھ اور آثار نقل کرنے کے بعد شیخ فرماتے ہیں کہ جو روایات ہم نے نقل کی ہیں اور بہت سی طوالت کے خوف سے چھوڑ دی ہیں ان میں قدر مشترک کے طور پر یہ بات حد تواتر کو پہنچ گئی ہے کہ ”جو نیکی کر کے اس کا ثواب بخشے تو اس کا نفع اس کو پہنچتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی نیکیوں کے کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائیں اور یہ بھی توفیق عطا فرمائیں کہ مرحومین کے لئے بھی ایصال ثواب کرتے رہیں۔ فقط

### ملفوظ حضرت شیخ صفر مدظلہ

میرے عزیزو! بحمد اللہ ہم نے اپنے اکابر کا قرض چکا دیا اب تمہاری ذمہ داری ہے کہ اس امانت کا تحفظ کرو اور آگے پہنچاؤ۔

# جواز تو سل بالصالحين

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی تحقیق

حضرت مولانا حکیم محمد اختصار صاحب مدظلہ

اس وقت مرشد نا حضرت مولانا شاہ ابرار الحق صاحب دامت برکاتہم بھی  
تشریف رکھتے تھے کہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ نے فرمایا کہ حضرت انور  
شاہ کشمیریؒ نے فرمایا کہ بخاری شریف میں روایت ہے کہ

تین آدمی پہلی امت کے کہیں سفر کر رہے تھے کہ ایک پہاڑ کے غار میں  
آرام کرنے لگے اچانک ایک بڑا پھر گر گیا، جس سے وہ تینوں اشخاص بندہ ہو گئے،  
نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ پھر ان لوگوں نے کہا کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے عمل  
صالح کے وسیلہ سے دعا کرے۔

فقالوا نه لايوجيكم من هذه الصخرة الا ان تدعوا الله بصالح

اعمالكم

(بخاری شریف ج ۱ ص ۳۰۲)

ایک نے کہا اے اللہ! میں اپنے بوڑھے ماں باپ کورات میں دودھ پلا کر  
سلاتا تھا، پھر اپنے اہل و عیال کو دیتا۔ لیکن ایک دن مجھے دری ہو گئی۔ پس میں نے ان کو  
سوتا ہوا پایا اور میں دودھ کا پیالہ لے کر رات بھر کھڑا رہا۔ جب صبح کو بیدار ہوئے تو ان  
کو پلا دیا، پھر اپنے اہل و عیال کو پلا یا۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر یہ عمل میں نے صرف  
آپ کی رضاء کے لئے کیا ہے تو اس عمل کی برکت سے اس پھر کی چٹان کو ہٹا دیجئے۔  
بس وہ پھر اس قدر رہت گیا کہ نکلنا ممکن نہ تھا۔

پھر دوسرے نے دعا کی کہ اے اللہ! میری پچازاد بہن تھی جو "کیانت  
احب الناس الی" تمام لوگوں میں سب سے زیادہ میرے نزدیک محبوب تھی اس  
سے میں نے اپنا مطلب چاہا، لیکن اس نے میری خواہش سے انکار کر دیا۔ پھر بعد  
مدت میرے پاس آئی میں نے اس کو ایک سو بیس دینار دیئے کہ وہ میری خواہش پوری

کردے، بس وہ راضی ہو گئی لیکن جب تھائی میں اس پر پوری قدرت پالی تو اس نے کہا کہ میں تیرے لئے حلال نہیں ہوں۔ پس میں الگ ہو گیا اور وہ مجھے احباب الناس تھی۔ حالانکہ وہ میرے لئے دنیا میں سب سے زیادہ محبوب تھی اور میں نے وہ دینار بھی اس سے واپس نہیں لئے۔ اے اللہ! آپ جانتے ہیں کہ اگر یہ کام میں نے صرف آپ کے لئے کیا ہے تو آپ اس چنان کو الگ فرمادیجئے۔ اس عمل کی برکت سے پھر اور ہٹ گیا لیکن پھر بھی خروج ممکن نہ تھا۔

پھر تیسرے شخص نے دعا کی کہ اے اللہ! میں نے مزدور رکھے تھے کسی کام کے لئے۔ سب کو مزدوری دے دی تھی ایک مزدور کی مزدوری باقی رہ گئی تھی اور وہ بدوس مزدوری لئے چلا گیا۔ میں نے اس کے اس مال کو بڑھایا۔ یہاں تک کہ جب ایک عرصہ بعد وہ آیا اور اس نے مزدوری طلب کی تو میں نے کہا کہ یہ اونٹ اور نیل اور بکریاں اور غلام سب تیری ملک ہیں یعنی تیری مزدوری سے یہ سب ہیں۔ اس نے مذاق سمجھا لیکن جب میں نے پیش کر دیا تو وہ سب لے کر چلا گیا۔ اے اللہ! اگر یہ عمل میں نے صرف آپ کی رضاۓ کے لئے کیا ہے تو اس کی برکت سے یہ پھر ہٹا دیجئے۔

پس وہ اس قدر ہٹ گیا کہ آسانی یہ سب بکل گئے اور اس غم سے نجات پا گئے۔

پس اعمال صالحہ سے دعا میں تو سل جب بخاری شریف سے ثابت ہے تو اسی حدیث سے میں استدلال کرتا ہوں کہ یہ اعمال صالحہ تو قلب کے اعمال ہیں اور اہل اللہ اور مقبولان بارگاہ حق سے ہم کو جو محبت ہے یہ قلب کا عمل ہے اور قلب کا عمل قلب کے عمل سے افضل ہے۔ کیونکہ قلب جوارح کا بادشاہ ہے۔ لہذا بدرجہ اولی اعمال قلب یعنی محبت مشائخ کا واسطہ اور وسیلہ دعا میں جائز ہے۔ کیونکہ بزرگوں کا وسیلہ دراصل اس محبت کا وسیلہ ہے جو ہمارے قلوب کو ان کے ساتھ ہے۔

حضرت مولانا شاہ ابرار الحسن صاحب دامت برکاتہم بھی حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ کے اس استدلال سے بہت مسرور ہوئے۔ (کشکول معرفت ص ۱۵۱ تا ص ۱۷۱)

## سورۃ الزلزال کی فضیلت

دور مرتبہ سورۃ الزلزال پڑھنے کا ثواب ایک قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

إِسْمَ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَاٖ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَاٖ  
وَقَالَ إِلَيْهَا مَا لَهَاٖ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَاٖ بِأَنَّ  
رَبَّكَ أَوْحَى لَهَاٖ يَوْمَئِذٍ يَصُدُّ النَّاسُ أَشْتَاتَاهَاٖ لِيُرَوُا  
أَعْمَالَهُمْٖ فَمَنْ يَعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُٖ وَمَنْ  
يَعْمَلُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُٖ

## سورۃ العادیات کی فضیلت

دور مرتبہ سورۃ العادیات پڑھنے کا ثواب ایک قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

(ترمذی ح ۲ ص ۱۷)

إِسْمَ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَالْعُدَيْتِ ضَبْحًاٖ فَالْمُوْرِيْتِ قَدْحًاٖ فَالْمُغَيْرَاتِ صُبْحًاٖ  
فَاَثْرَنَ بِهِ نَقْعًاٖ فَوَسْطَنَ بِهِ جَمْعًاٖ إِنَّ إِلَيْهَا نَرِيْتَهُ  
لَكُنُودٌ وَإِنَّهُ عَلَى ذَلِكَ لَشَهِيدٌٖ وَإِنَّهُ لَحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌٖ  
أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثَرَ مَا فِي الْقُبُوْرِٖ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُورِٖ  
إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَخَيْرٌٖ

## سورۃ التکاثر کی فضیلت

ایک مرتبہ سورۃ التکاثر پڑھنے کا ثواب ہزار آنکھوں کے پڑھنے کے برابر ہے۔

(بیہقی، بحوالہ مشکلوۃ ص ۱۹۰)

**بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**  
 الْهُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ لَا يُحَاكِمُ إِلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ<sup>١</sup>  
 ثُمَّ إِلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ<sup>٢</sup> كُلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ<sup>٣</sup>  
 لَرَوْنَ الْجَعِيمَ<sup>٤</sup> ثُمَّ لَتَرَوْنَهَا عَيْنَ الْيَقِينِ<sup>٥</sup> ثُمَّ لَتُسَلِّنَ  
 يَوْمَئِذٍ عَنِ التَّعْيِنِ<sup>٦</sup>

### سورۃ الکافرون کی فضیلت

چار مرتبہ سورۃ الکافرون پڑھنے کا ثواب ایک قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

(ترمذی ص ۷۱۱ ج ۲)

**بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**  
 قُلْ يَا أَيُّهَا الْكُفَّارُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ  
 عَبُودُونَ مَا أَعْبُدُ<sup>١</sup> وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ<sup>٢</sup> وَلَا أَنْتُمْ  
 عَبُودُونَ مَا أَعْبُدُ<sup>٣</sup> لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ<sup>٤</sup>

### سورۃ النصر کی فضیلت

سورۃ النصر چار مرتبہ پڑھنے کا ثواب ایک قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

(ترمذی ص ۷۱۱ ج ۲)

**بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ**  
 إِذَا جَاءَ نَصْرٌ مِّنْ اللَّهِ وَالْفَتْحُ<sup>١</sup> وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ<sup>٢</sup>  
 اللَّهِ أَفْوَاجًا<sup>٣</sup> فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَابًا<sup>٤</sup>

## سورۃ اخلاص کی فضیلت

سورۃ اخلاص تین مرتبہ پڑھنے کا ثواب ایک قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔  
(بخاری ص ۵۰۷ جلد نمبر ۲ مسلم ص ۲۷ جلد ۱)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ<sup>۱</sup> اللَّهُ الصَّمَدُ<sup>۲</sup> لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ<sup>۳</sup>  
وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ<sup>۴</sup>

## فضائل سورۃ ایس

اس سورۃ کی فضیلت میں مفسرین نے کئی ایک احادیث نقل کی ہیں جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سورۃ ایس قرآن مجید کا دل ہے مندا بیوی علی کے حوالہ سے قرطبی ج ۱۵ ص ۲، اور تفسیر حقانی ج ۶۹ ص ۱۱۹ پر یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ من قرائیں یلیٰ اَصْبَحَ مَغْفُورًا لَهُ جو شخص رات کو سورۃ ایس کی تلاوت کرے گا اس کو صحیح کے وقت خدا تعالیٰ کی جانب سے بخشش و مغفرت کا پروانہ ملے گا۔ مندا احمد میں حضور اکرم ﷺ کا فرمان یوں ہے جو امام نسائی نے عمل الیوم واللیل میں نقل کیا ہے کہ سورۃ ایس قرآن کا دل ہے لا یقِرءُهَا رَجُلٌ یُرِيدُ اللَّهَ وَالدَّارَ الْآخِرَةِ إِلَّا غُفرَلَهُ جو شخص اس سورۃ کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے گھر کے تلاش کے لئے پڑھ گا اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بخش دے گا قرطبی اور تفسیر خازن وغیرہ تفاسیر میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ إِقْرَأْهُ وَهَا عَلَى مَوْتَاكُمْ تم اسے اپنے قریب المrg لوگوں کے پاس پڑھا کروتا کہ انہیں صحیح ایمان نصیب ہو اور تفسیر درمنشور ج ۵ ص ۲۵۶ پر ہے کہ آنحضرت نے فرمایا آوَدِدْتُ أَنَّهَا فِي كُلِّ قُلُوبٍ إِنْسَانٌ مِنْ أُمَّتِي میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ یہ سورۃ میری امت کے ہر شخص کے دل میں ہو یعنی ہر شخص کو اس کے حفظ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مفسرین یہ بھی لکھتے ہیں کہ سورۃ ایس پڑھنے سے اللہ تعالیٰ آمدہ سختی کو دوز کر دیتے ہیں، اور موت کے وقت پڑھنے سے روح آسانی سے نکلتی ہے اور ایمان بھی نصیب ہوتا ہے اور یہ بھی کہ زندگی کی مہماں یعنی عام اہم مواقع پر اس سورۃ کی تلاوت اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ نیز اس کی تلاوت اور وظیفہ تمام علماء کرام و اولیاء عظام کا معمول رہا ہے۔



وَمَا لِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٤﴾ أَتَخْدُ مِنْ  
 دُوْنِهِ إِلَهَةً إِنْ يُرِدُنَ الرَّحْمَنُ بِصُرْبَلَّا وَتُغْنِ عَنِّي شَفَا عَنْهُمْ  
 شَيْئًا وَلَا يُنْقَذُونَ ﴿٥﴾ إِنِّي إِذَا لَمْ يَفِي ضَلْلٍ مُّبِينٍ ﴿٦﴾ إِنِّي أَمَنَتُ بِرِّبِّكُمْ  
 فَاسْعَوْنَ ﴿٧﴾ قَيْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يُلْيِسَ قَوْمٌ يَعْلَمُونَ  
 بِمَا أَغْفَرَ لِي سَارِي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿٨﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى قَوْمِهِ  
 مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿٩﴾ إِنْ كَانَتْ  
 إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَمْدُونَ ﴿١٠﴾ يُحَسِّرُهُ عَلَى الْعِبَادَةِ  
 مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهِزُونَ ﴿١١﴾ أَلَمْ يَرُوا كُمْ  
 أَهْكَلْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٢﴾ وَإِنْ كُلُّ لَمَّا  
 جَعَلْنَا لَهُمْ مُّهْبِطًا مُّهْبِطًا مُّهْبِطًا مُّهْبِطًا مُّهْبِطًا مُّهْبِطًا مُّهْبِطًا  
 أَخْرَجْنَا مِنْهَا حَسَانًا فِيهِ يَا كُلُونَ ﴿١٣﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنْتَهٖ مِنْ نَخْيَلٍ وَ  
 أَعْنَابٍ وَفَجَرْنَا فِيهَا مِنَ الْعَيْوَنِ ﴿١٤﴾ لِيَا كُلُّوا مِنْ شَرِهِ وَمَا عَمِلْتُهُ  
 أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿١٥﴾ سُبْحَنَ الَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ وَاجْكُلَهَا مِمَّا  
 تُنْتَهِي أَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٦﴾ وَآيَةُ لَهُمْ  
 الَّيْلُ نَسْلَحُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُّظْلِمُونَ ﴿١٧﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي  
 لِمُسْتَقْرِئَهَا ذِلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿١٨﴾ وَالْقَمَرُ قَدَّرَهُ مَنْأَازِلَ  
 حَتَّىٰ عَادَ كَالْعَرْجُونِ الْقَدِيرُ ﴿١٩﴾ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ  
 الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَاقِقُ النَّهَارِ وَكُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبُحُونَ ﴿٢٠﴾ وَآيَةُ  
 لَهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرْيَتَهُمْ فِي الْفُلُكِ الْمَسْحُونَ ﴿٢١﴾ وَخَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ  
 مِّثْلِهِ مَا يَرَكُبُونَ ﴿٢٢﴾ وَإِنْ تَشَاءْ نَعْرِقُهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ

يُنْقَذُونَ ﴿٣﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَى حَيَّنِ ﴿٤﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّقُوا  
 مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ لَعَلَّكُمْ تُرَحَّمُونَ ﴿٥﴾ وَمَا تَأْتِهِمْ مِّنْ  
 أَيْتَهُ مِنْ أَيْتَ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٦﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ  
 أَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَيْنِيْنَ أَمْنُوا  
 أَنْطَعْمُ مَنْ لَوْيَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّسِيْنَ ﴿٧﴾  
 وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَدِيقِينَ ﴿٨﴾ مَا يَنْظَرُونَ إِلَّا  
 صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَرْجِصُونَ ﴿٩﴾ فَلَا يَسْتَطِيْعُونَ  
 تَوْصِيْهَهُ لَا إِلَّا أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٠﴾ وَنُفَخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ  
 الْأَجَدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَرْسَلُونَ ﴿١١﴾ قَالُوا يَا يَارِبَّنَا مَنْ بَعَثْنَا مِنْ  
 مَرْقِيدَنَا سَيْكَهُ هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿١٢﴾ إِنْ كَانَتْ  
 إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعُهُ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿١٣﴾  
 فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾  
 إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فِيْكُهُونَ ﴿١٥﴾ هُمْ وَآزْوَاجُهُمْ فِي  
 ظَلَلٍ عَلَى الْأَرْضِ مُمْكِنُونَ ﴿١٦﴾ لَهُمْ فِيهَا فَارِكَهُهُ وَلَهُمْ مَا  
 يَدْعُونَ ﴿١٧﴾ سَلَمٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحْمَمٍ ﴿١٨﴾ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ  
 أَيْمَانًا الْمُجْرِمُونَ ﴿١٩﴾ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَيْنَى آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا  
 الشَّيْطَنَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّسِيْنَ ﴿٢٠﴾ وَأَنْ اعْبُدُوْنِي هَذَا  
 صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٢١﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِيلًا كَثِيرًا أَفَلَمْ  
 تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿٢٢﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿٢٣﴾  
 إِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٢٤﴾ الْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلَى أَفْوَاهِهِمْ وَتَكَلَّمُنَا

آيِّدِيهِمْ وَتَشَهَّدُ أَرْجُلُهُمْ بِسَاكِنِهِمْ أَيْكُسِبُونَ ۚ وَلَوْ نَشَاءُ  
 لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ۖ وَلَوْ  
 نَشَاءُ لَسَخَنَهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا يَرْجِعُونَ ۗ  
 وَمَنْ نُعَيِّرُهُ نُنَكِّسُهُ فِي الْخَلْقِ طَافِلًا يَعْقِلُونَ ۚ وَمَا عَلِمْنَا الشِّعْرَ  
 وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ ۖ لَيَسْتُ ذَرَّةٌ مِنْ كَانَ  
 حَيًّا وَيَحْقِقُ الْقَوْلُ عَلَى الْكُفَّارِينَ ۗ أَوْلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِنْ  
 عِيشَاتٍ آيِّدِيْنَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مُلِكُونَ ۚ وَذَلِكَ لِنَهَا لَهُمْ فِيهَا  
 رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ۚ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعٌ وَمَشَارِبٌ ۖ أَفَلَا  
 يَشْكُرُونَ ۖ وَإِنَّهُمْ وَا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَلَّاهٌ لَّمْ يَعْلَمْ مَوْيَنْصَرُونَ ۖ  
 لَمْ يَسْتَطِعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنُدٌ مُهْضُرُونَ ۖ فَلَا يَجِدُونَ  
 قَوْلَهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلَمُونَ ۖ أَوْلَمْ يَرَى الْإِنْسَانُ أَنَّا  
 خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ ۖ وَضَرَبَ لَنَا  
 مَثَلًا وَنَسَى خُلُقَهُ طَقَالَ مَنْ يُّحِبُّ الْعَظَامَ وَهُنَّ رَمِيمٌ ۖ قُلْ  
 يُحِيِّهَا الدِّينُ أَنْشَأَهَا أَوَلَّ مَرَّةٍ طَوْهُ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلَيْمٌ ۖ  
 الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ مِنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِنْهُ  
 تُوْقِدُونَ ۖ أَوْلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِقُدْرَتِ  
 عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ بَلِّ ۖ وَهُوَ الْخَلَقُ الْعَلِيُّمُ إِنَّمَا أَمْرَهُ  
 إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۖ فَسُبْحَانَ الَّذِي  
 بِيَدِهِ مَلْكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۖ